خواتین

اور دین کی خدمت

از

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ناشر

مکتبۂ اسلام

۱۷۲/۵۴ محمد علی لین، گوئن روڈ۔ لکھنؤ۔ یو پی۔

بار چہارم: دسمبر ۱۹۹۸ء
نام کتاب: خواتین اور دین کی خدمت
مصنف: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مطبوعہ: کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ فون: 229616
کمپوزنگ: پرنٹ لائن لکھنؤ، فون: 285305
قیمت:

ناشر

مکتبۂ اسلام

۱۷۲/۵۴ محمد علی لین۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں کچھ تو مشترک رکھی ہیں اور کچھ علیحدہ علیحدہ، اسی لئے قرآن مجید میں کہیں تو ایک سے خطاب، دونوں کے لئے آیا ہے اور کہیں دونوں کو علیحدہ علیحدہ مخاطب کیا گیا ہے اور علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے۔

مردوں کو چونکہ قوام بنایا گیا ہے، اسی لئے ان کی ذمہ داریاں زیادہ رکھی گئی ہیں، ان کو وسیع دائرہ میں فرائض انجام دینا ہوتے ہیں اسی لئے جب دونوں جنس کے لوگوں کو مشترک ذمہ داریوں کے سلسلہ میں مخاطب کیا گیا ہے، تو مردوں کے صیغہ کو ہی اختیار کیا گیا ہے، جس میں عورتیں بھی شامل

رکھی گئی ہیں۔

عورتوں کی جو مخصوص ذمہ داریاں ہیں اور ان میں مردوں کی شرکت نہیں ہے وہ اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتی ہیں، ان کو نظر انداز کر دینا نہ صرف عورتوں کے ساتھ بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ زیادتی ہے، کیونکہ انسانیت دونوں جنسوں کے تعاون اور خدمت و عمل سے قائم ہے ایک جنس کے نظر انداز ہو جانے سے صرف اسی کو ہی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ دونوں کو پہنچتا ہے۔

موجودہ تمدن نے ایسی انسانی مساوات کی دعوت دی ہے جس میں انسانوں کے قدرتی اور اختیاری دونوں فرق و اختلاف کو نظر انداز کیا گیا ہے، چنانچہ اس فرق و اختلاف کے اثر سے جو اچھے اور مفید نتیجے سامنے آسکتے ہیں، وہ نہیں حاصل ہوتے۔

مغربی تمدن میں عورت کو وہ بھی کام کرنے پڑتے ہیں، جو مردوں کی صلاحیتوں کے ساتھ اصلاً مخصوص ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنے کاموں میں کوتاہ رہتی ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہذا وہاں کے معاشرہ میں نا قابل بیان نقائص پیدا ہو گئے ہیں اور خاندانی شیرازہ بکھر گیا ہے، مرد و عورت کے تعلقات میں بے ضابطگی اور تاجرانہ انداز کا غلبہ ہو گیا ہے اور جب یہ دونوں زندگی کی ذمہ داریوں میں بالکل یکساں کر دئے گئے ہیں تو پھر کیوں کوئی اپنی اپنی مخصوص ذمہ داری کو انجام دے، جب دونوں

بالکل برابر ہیں تو اختلاف کی صورت میں کس کی بات غالب رہے، گھر کی اندرونی زندگی میں کون بڑا ہو، اور کون چھوٹا، کون مجموعی ذمہ داریوں کا حامل ہو اور کون خصوصی ذمہ داریوں کا۔

مغربی تمدن کے لائے ہوئے نظریات نے عورت و مرد کے مابین تعلقات اور تقسیم عمل کو نہ صرف ابتری میں ڈالا، بلکہ ایسے مسائل کھڑے کر دیئے، جن کا حل نہ مغربی تمدن نے نکالا اور نہ بگڑی ہوئی صورت حال کو بنا سکا اور نہ ہی اس بگاڑ کی وجہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔

ضرورت ہے کہ مغربی افکار کے حاملین کو ان نقائص کی طرف متوجہ کیا جائے ان سے ایسے اسلوب اور زبان میں بات کی جائے، جو ان کے ذہنوں میں اتر جائے اور اسی طرح مردوں اور عورتوں کی مشترک اور علیحدہ علیحدہ ذمہ داریوں کی علیحدہ علیحدہ نشاندہی کی جائے، یہ کام سب سے بہتر طریقہ سے وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے مغربی تمدن کی وضع قطع اور افکار کو بھی سمجھا ہو اور اسلامی تعلیمات سے بھی کماحقہ واقف ہوں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ جنہوں نے مغربی تمدن کے مرکزوں کا بار بار دورہ کیا ہے اور وہاں اس کے ماحول میں کھڑے ہو کر اس کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے اور ان کی بات توجہ سے سنی گئی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفید بات بتا سکتے ہیں اور نشاندہی کر سکتے ہیں، عالم اسلام کی بعض جامعات اور مختلف اداروں میں مولانا نے

عورتوں سے خطاب فرمایا، جو اپنی فکری اور عملی رہنمائی کے اعتبار سے بہت مفید اور مؤثر خطاب تھے۔

خوش قسمتی کی بات ہے کہ ان میں سے متعدد خطابات کو ٹیپ رکارڈ کی مدد سے قلم بند کر لیا گیا۔ جن کو مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی ایک مجموعہ کی شکل میں پیش کر رہے ہیں، یہ کام لائق صد مبارک باد ہے، امید ہے کہ اس سے خواتین زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گی اور مردوں کو بھی عورتوں کی صحیح ذمہ داریوں سے واقفیت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور کوشش کرنے والوں کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رابع ندوی

۳؍ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ دائرہ شاہ علم اللہ۔ رائے بریلی

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور خواتین

اسلام سے پیشتر طبقۂ نسواں کی حالت

پہلے ہم یہاں کچھ تمہیدی باتیں کہنا چاہتے ہیں، جو ان اقدامات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، جو اسلام نے عورتوں کے مفاد میں کیے ہیں، یہاں مشہور عرب فاضل استاد عباس محمود العقاد کی کتاب "المرأة فی القرآن" کے کچھ اقتباسات پیش کریں گے جو اس موضوع پر وسیع تحقیقی جائزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مصنف موصوف نے اسلام سے پہلے مذاہب اور معاشروں میں عورت کے مقام سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہندوستان میں منو کے مذہبی قوانین میں باپ، شوہر یا دونوں کی وفات ہو جانے کی صورت میں بیٹے سے علیحدہ عورت کا کوئی

مستقل حق نہیں تھا، اور ان سب کی وفات کے بعد اس کا شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار سے متعلق ہو جانا ضروری تھا، وہ کسی حال میں اپنے معاملہ میں خود مختار نہیں ہو سکتی تھی، معاشی معاملات میں اس کی حق تلفی سے زیادہ سختی اس کے شوہر سے علیحدہ زندگی کے انکار کی صورت میں تھی، جس کے مطابق بیوی کو شوہر کے مرنے کے دن مر جانا اور اس کی چتا پرستی ہو جانا ضروری تھا، یہ پرانی رسم برہمنی تمدن کے قدیم زمانہ سے سترہویں صدی تک برقرار رہی اور اس کے بعد مذہبی حلقوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ختم ہو گئی۔"

"حمورابی کی شریعت [جس کی وجہ سے بابل مشہور ہوا تھا] عورت کو پالتو جانور سمجھتی تھی، اور اس کی نظر میں عورت کی حیثیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی رو سے اگر کسی نے کسی کی لڑکی کو قتل کیا ہے تو قاتل کو اپنی لڑکی مقتولہ لڑکی کے بدلہ میں حوالہ کرنا ہوتی تھی تاکہ لڑکی والا اسے قتل کردے، یا باندی بنالے، یا معاف کردے، مگر وہ اکثر قتل ہی کی جاتی تھی، یونان قدیم میں عورت ہر قسم کے حقوق اور آزادی سے محروم تھی، اسے ایسے بڑے گھروں میں رہنا ہوتا تھا جو راستہ سے دور، کم کھڑکیوں والے ہوتے تھے اور ان کے دروازوں پر پہرہ دار مقرر رہتے تھے، بیویوں اور گھریلو عورتوں کی طرف بے توجہی کے سبب بڑے یونانی شہروں میں ایسی محفلیں عام ہو گئی تھیں جن میں گانے والیوں اور حسین عورتوں سے دل بہلایا جاتا تھا، مہذب محفلوں میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ جانے کی بہت کم اجازت تھی، اسی

طرح فلسفیوں کے حلقے عورتوں کی موجودگی سے خالی نظر آتے ہیں اور پیشہ ور عورتوں یا مطلقہ باندیوں جیسی شہرت وعزت کسی شریف خاتون کو کبھی حاصل نہیں ہوئی"۔

قدیم رومیوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ قدیم ہندوؤں ہی جیسا تھا، جس کے تحت وہ باپ، شوہر اور بیٹوں کے ماتحت رہتی تھیں، اپنے تہذیبی عروج کے دور میں ان کا خیال تھا کہ :

"نہ عورت کی بیڑی کاٹی جاسکتی ہے، نہ اس کی گردن سے جوا اتارا جاسکتا ہے۔ رومی عورت اسی وقت آزاد ہوئی جب بغاوت اور نافرمانی کر کے رومی غلام آزاد ہوئے اور عورت کو غلام رکھنا ناممکن ہو گیا۔"

استاذ عقاد نے قدیم مصری تہذیب میں عورتوں کے بعض حقوق واختیار کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"اسلام سے پہلے مصری تہذیب اور اس کے قوانین ختم ہو چکے تھے، اور شرق اوسط میں اس دور میں رومی تہذیب کے زوال اور اس کی عیاشی اور لذت پرستی کے رد عمل کے طور پر دینوی زندگی سے نفرت کا رجحان پیدا ہو گیا تھا، بلکہ زندگی اور آل واولاد کی طرف سے سرد مہری پیدا ہو گئی تھی، اور زاہدانہ رجحان نے جسم اور عورت کو نجس سمجھ لیا تھا، اور عورت کو گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا، قرون وسطی کے اس رجحان ہی کا اثر تھا کہ پندرہویں صدی عیسوی تک کلیسا کے ذمہ دار عورت کی فطرت کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہے تھے

کہ کیا وہ جسم بلا روح ہے یا روح رکھنے والا جسم ہے جس سے نجات یا ہلاکت متعلق ہوتی ہے ؟ اکثریت کا خیال یہ تھا کہ وہ نجات پانے والی روح سے خالی ہے، اور اس نے کنواری مریمؑ والدہ حضرت مسیحؑ کے سوا کسی کا استثناء نہیں۔

رومی عہد کے اس رجحان نے بعد کی مصری تہذیب میں عورت کے مقام کو متاثر کیا، مصریوں پر رومی مظالم کی شدت ان کی رہبانیت اور دنیا بیزاری کا سبب بن گئی تھی، چنانچہ بہت سے زاہد لوگ رہبانیت کو قرب الٰہی کا ذریعہ اور شیطان کے مکر سے (جس میں عورت سر فہرست تھی) دوری کا وسیلہ جانتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کتابوں کی تعلیم کے مطابق لڑکی باپ کی میراث سے خارج ہو جاتی ہے اگر اس کا کوئی بھائی موجود ہے۔

میراث کے بارے میں حکم صریح یہ ہے کہ جب تک اولاد ذکور رہے گی لڑکی اس سے محروم رہے گی، اور جس لڑکی کو میراث ملے گی اسے کسی دوسرے قبیلہ میں شادی کی اجازت نہ ہوگی، اور نہ اسے کسی اور قبیلہ کی طرف میراث منتقل کرنے کی اجازت ہوگی، یہ حکم کتب تورات میں متعدد جگہوں پر ہے۔

اب ہم ان بلاد مقدسہ کی طرف رخ کرتے ہیں جہاں قرآن کریم کی دعوت شروع ہوئی تھی، یعنی جزیرۃ العرب، مگر آپ کو وہاں بھی اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہاں عورتوں کے ساتھ انصاف اور اکرام

کا کوئی الگ معاملہ تھا، بلکہ جزیرۃالعرب کے بعض اطراف میں عورتوں سے بد معاملگی ساری دنیا سے زیادہ تھی، اور بعض اطراف میں اس لئے اس سے اچھا معاملہ کیا جاتا تھا، اور اس کی شوہر کے یہاں عزت تھی کہ وہ کسی بارعب رئیس کی لڑکی یا کسی محبوب بیٹے کی ماں ہے، اور باپ، شوہر، بھائی اور بیٹے اپنی ملکیت یا حمایت میں داخل اشیاء کی طرح اس کی حفاظت کرتے تھے، کیونکہ یہ آدمی کے لئے عیب تھا کہ اس کے حرم کی بے حرمتی کی جائے، جس طرح یہ عیب تھا کہ اس کی حمایت یافتہ یا کسی ممنوعہ چیز پر دست درازی کی جائے، جس میں اس کے گھوڑے، جانور، کنواں اور چراگاہ شامل تھی، وہ مال مویشی کے ساتھ میراث میں منتقل ہوتی تھی، آدمی شرم کے مارے اپنی بیٹی کو بچپن ہی میں زندہ درگور کر دیتا تھا، اور اس پر خرچ کو بوجھ سمجھتا تھا، جب کہ اپنی مملوکہ باندی یا نفع بخش جانور پر خرچ کو بوجھ نہیں سمجھتا تھا، اور جو اسے زندہ رکھتے اور بچپن میں جاں بخشی کر دیتے ان کی نظر میں ان کی حیثیت میراث کی تھی، جو باپ سے بیٹوں کو منتقل ہوتی تھی، اور قرض یا سود کی ادائیگی میں اسے بیچا اور رہن رکھا جا سکتا تھا، وہ اس انجام سے اسی وقت بچ سکتی تھی جب وہ کسی معزز قبیلہ کی فرد ہوتی جس کی حمایت و قربت کو وقعت حاصل ہوتی تھی(۱)"۔

بُدھ مت

بدھ مت میں عورتوں کے بارے میں خیالات کا ایک نمونہ

"(۱) المرأۃ فی القرآن" للاستاذ عباس محمود العقاد، طبع دار الهلال مصر ص ۵۱۔ ۵۷

"مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا" کے مقالہ نگار نے ایک بدھ مفکر کے قول سے پیش کیا ہے، (مطبوعہ ۱۹۰۶ ص۱۶۹) پر نقل کیا ہے کہ:-

"پانی کے اندر مچھلی کی ناقابلِ فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گزر نہیں (۱)"۔

ہندو دھرم

مذکورہ انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار عورتوں کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات کے بارہ میں لکھتا ہے:-

"برہمن ازم میں شادی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہر شخص کو شادی کرنا چاہئے، لیکن منو کے قوانین کی رو سے شوہر بیوی کا سر تاج ہے، اسے اپنے شوہر کو ناراض کرنے کا کوئی کام نہیں کرنا چاہئے، حتی کہ وہ اگر دوسری عورتوں سے تعلقات رکھے یا مرجائے تب بھی کسی دوسرے مرد کا نام اپنی زبان پر نہ لائے، اگر وہ دوبارہ نکاح کرتی ہے تو سورگ سے محروم رہے گی جس میں اس کا پہلا شوہر رہتا ہے، بیوی کے غیر وفادار ہونے کی صورت میں اسے انتہائی کڑی سزا دی جانی چاہئے عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتی، وہ ترکہ نہیں پاسکتی، شوہر کے

(1)ENCYCLOPEDIA OF RELIGION & FTHICS, VOL. V, p. 271 NEWYORK.1912

مرنے پر اپنے سب سے بڑے بیٹے کے تحت زندگی گزارنی ہوگی، شوہر اپنی بیوی کو لاٹھی سے بھی پیٹ سکتا ہے(۱)۔"

"یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ" میں(RAY STRACHEY) ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے:-

"رگ وید میں (جس میں انسان کے جدامجد کی حکایات بھی ہیں) عورتوں کو پست اور حقیر مقام دیا گیا ہے، بعد میں یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ روحانی طور پر نا قابل اعتبار بلکہ تقریباً بے روح ہے، اور موت کے بعد مردوں کی نیکیوں کے بغیر اسے بقا حاصل نہیں ہو سکتی، اس کی ساری امیدوں کو ختم کرنے والے مذہب کے ساتھ رسم ورواج کی بیڑیوں نے (جو رفتہ رفتہ پیدا ہوتی گئیں) یہ ناممکن کردیا کہ عورت کسی نمایاں شخصیت کو جنم دے سکے، عورتوں کو جنم دینے والے منو نے انہیں اپنے گھر، بستر زیور کی محبت، بری خواہشیں، غصہ، بے ایمانی اور برے اطوار عطا کئے، عورتیں اتنی بری ہیں جتنا کہ جھوٹ، یہ ایک مسلم حقیقت تھی، عورت کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ مردوں کو اس دنیا میں غلط راستہ پر ڈالے، اسی لئے عقلمند، عورتوں کی صحبت میں بے فکر ہو کر نہیں بیٹھتے۔

بچپن کی شادی کی رسم، بیواؤں سے نفرت، ستی اور پردہ ایک ایسے سماج کے حسبِ حال ہیں، جس میں عورتوں کی اہمیت بچے جننے والی مخلوق

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا مذہب واخلاق ص ۲۷۱۔ جلد پنجم (نیویارک، ۱۹۱۲ء)

سے زائد نہیں، شاید نوزائیدہ لڑکیوں کی موت ایک ایسی دنیا میں ان کے لئے رحمت ہے، جس میں اسے مشکوک، برائی کا سرچشمہ، دھوکہ باز، سورگ (جنت) کے راستہ کا روڑا، اور نرک (دوزخ) کا دروازہ سمجھا جاتا ہے (۱)"۔

چین

مسٹر اسٹریچی چین میں عورتوں کی حیثیت کے بارے میں لکھتا ہے:-

"مشرق بعید یعنی چین میں حالات اس سے بہتر نہیں تھے، چھوٹی لڑکیوں کے کاٹھ مارنے کی رسم کا مقصد یہ تھا کہ انہیں بے بس اور نازک رکھا جائے، یہ رسم اگرچہ اعلیٰ اور مالدار طبقات میں رائج تھی، لیکن اس سے "آسمانی حکومت" کے دور میں عورتوں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے (۲)"۔

انگلستان

مذکورہ بالا مقالہ نگار انگلستان میں عورتوں کے مقام کے بارے میں تحریر کرتا ہے:-

"وہاں اسے ہر قسم کے شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، تعلیم

---

(1) UNIVERSAL HISTORT OF THE WORLD Ed,J.A HAMERTON VOL. 1 ,P.78 (LONDON)

(۲) یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ، مرتبہ ہمیرٹن ۳۷۸/۱ (لندن)

کے دروازے اس پر بند تھے، صرف چھوٹے درجہ کی مزدوری کے علاوہ وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی، اور شادی کے وقت اسے اپنی ساری املاک سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ سے انیسویں صدی تک عورتوں کو جو درجہ دیا گیا تھا، اس سے کسی بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی تھی (۱)"۔

اسلامی تعلیمات

آپ گذشتہ تعلیمات کا مقابلہ اسلام کے اس نئے اور منفرد کردار سے کیجئے جو اس نے عورتوں کے وقار واعتبار کی بحالی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے، ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم ورواج اور مردوں کی خود پرستی اور تکبر سے اسے نجات دلانے کے سلسلہ میں انجام دیا ہے، قرآن مجید پر ایک سرسری نظر بھی عورت کے بارے میں جاہلی نقطۂ نظر اور قرآنی واسلامی زاویۂ نگاہ کے کھلے فرق کو سمجھنے کے لئے کافی ہے، جس سے انفرادی سلوک اور اجتماعی قوانین متعلق ہوتے ہیں۔

وہ قرآنی آیات جو نصف نوعِ انسانی اور جنس لطیف کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، وہ عورت کے اندر اس لئے اعتماد پیدا کرتی ہیں کہ ان کے بموجب معاشرہ میں اور خدا کے نزدیک اس کا متعین مقام ہے، اور وہ دین وعلم، خدمتِ اسلام، خیر و تقویٰ میں تعاون، اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں

---

(۱) یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ، مرتبہ ہیمر ٹن ۳۷۸/۱ (لندن)

پوری طرح حصہ لے سکتی ہے، قرآنی آیات قبول اعمال، نجات و سعادت اور آخرت کی کامیابی کے بیان میں ہمیشہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلاَ يُظْلَمُوْنَ نَقِيْراً (النساء ١٢٤)

اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّي لاَ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ۔ (آل عمران ١٩٥)

سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے قبول کر لیا اس لئے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے (خواہ) مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو

اسی طرح وہ حیات طیبہ کے مواقع و وسائل عطا کرنے کے موقع

پر بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کو یاد رکھتا ہے۔ بلکہ اس کے لئے ضمانت دیتا ہے اور اس کا وعدہ کرتا ہے۔ "حیات طیبہ" ایک جامع اور دور رس معانی پر مشتمل کلمہ ہے جو مثالی اور کامیاب زندگی کا مفہوم اور عزت و اطمینان کے غیر محدود معانی رکھتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (النحل ۹۷)

نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

صفاتِ حسنہ، اعمال صالحہ اور دین کے اہم شعبوں کے ذکر کے وقت قرآن مجید صرف مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر اور یہ اشارہ ہی نہیں کرتا کہ اعمال صالحہ اور صفات کریمہ میں ذکور واناث کا کوئی فرق نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایک صفت کو الگ بیان کرتا ہے۔ اور جب مردوں کی اس صفت کا ذکر کرتا ہے تو اسی صفت سے عورتوں کو بھی موصوف کرتا اور ان کا مستقل ذکر کرتا ہے اگرچہ اس کے لئے طویل پیرایۂ بیان ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ ان صفات میں قوت و صلاحیت رکھنے والے مردوں کو عورتوں پر قیاس کرنے پر وہ انسانی ذہن آمادہ نہیں ہوتے جنھوں نے غیر اسلامی مذاہب و فلسفہ اور قدیم معاشرت و آداب کے سایہ میں تربیت پائی ہے۔ ایسے ذہنوں نے ہمیشہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کی ہے اور انھیں بہت سے فضائل میں مردوں کے ساتھ شرکت سے بھی مستثنی کر رکھا ہے۔ چہ جائیکہ ان کی مزاحمت و سبقت کو گوارا کریں۔ آپ میرے ساتھ اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ	ترجمہ: بے شک اسلام والے اور اسلام
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	والیاں اور ایمان والے اور ایمان والیاں
وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ	اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں
وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ	اور صادق مرد اور صادق عورتیں اور
وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ	صابر مرد اور صابر عورتیں اور خشوع
وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ	والے اور خشوع والیاں ور تصدق کرنے
وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ	والے اور تصدق کرنے والیاں اور روزہ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ	رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی
وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ	شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے اور
وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ	حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد
كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ	کرنے والے اور یاد کرنے والیاں

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا۔ [الاحزاب : ۳۵]	ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

قرآن مجید صرف طاعات و عبادات ہی کے سلسلہ میں ان کا ذکر نہیں کرتا بلکہ باصلاحیت مردوں، علماء اور اولوا العزم افراد، دینی و اخلاقی احتساب اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے والوں کے ساتھ بھی ان کا ذکر کرتا ہے اور مومنین و مومنات کو ایک متحدہ اور خیر و تقویٰ پر تعاون کرنے والی جماعت کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (التوبہ۔ ۷۱)	اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا، بیشک اللہ بڑے اختیار والا ہے، اور بڑی حکمت والا ہے۔

وہ شرف انسانی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہونچنے کا ذریعہ اور کامل معیار جنس و نسل اور رنگ و خون سے قطع نظر صرف تقویٰ کو قرار دیتا ہے:

يَاأَيُّهَاالنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [الحجرات : ١٣]

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں سے پرہیزگار تر، اللہ کے نزدیک معززتر ہے۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، پورا خبردار ہے۔

یہ سب باتیں عورتوں میں ہمت، خودداری اور خود اعتمادی پیدا کرنے اور جدید نفسیات کی اصطلاح میں انھیں احساس کمتری سے دور رکھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

ان ہی تعلیمات کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سے عصر حاضر تک مشاہیر خواتین، اسلام میں معلمات، اور تربیت کرنے والی، جہاد اور تیمارداری کرنے والی ادیب و مصنف، حافظ قرآن، حدیث کی راوی، عابد و زاہد اور معاشرہ میں صاحب حیثیت و وجاہت خواتین کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جن سے علمی استفادہ کیا گیا اور جن سے تربیت حاصل کی گئی اور جو معیاری و مثالی شخصیت کی حامل تھیں۔

وہ حقوق جو اسلام نے مسلمان عورت کو دیئے ہیں ان میں چند یہ

ہیں۔ ملکیت و میراث کا حق، خرید و فروخت کا حق، نکاح اور شوہر سے علیحدگی (خلع) کا حق (اگر ضروری ہو) منگنی ختم کرنے کا حق، (اگر اس سے راضی نہ ہو) عیدین، جمعہ، اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کا حق، درس و تدریس اور دین کی تبلیغ اور ان کے علاوہ حقوق کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں۔

مغربی فضلاء اور اہل انصاف کی شہادت و اعتراف

متعدد انصاف پسند مغربی فضلاء اور معاشرتی و تمدنی تاریخ کے ماہرین نے ان قرآنی اور شرعی تعلیمات کی برتری کا اعتراف کیا ہے، جو عورتوں کے احترام اور ان کے لئے حقوق پر مشتمل ہیں۔

ہم یہاں دو تین شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ان میں سے ایک شہادت ایک مغربی فاضلہ کی ہے، جو ہندوستان میں ایک تربیتی و اصلاحی تحریک کی قائد اور جنوبی ہند کے ایک ثقافتی ادارے (تھیاسوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انھوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، کسی خاتون کی شہادت اس لئے بھی اہم اور قیمتی ہوتی ہے کہ وہ عورت کے معاملہ میں حساس ہوتی اور اس کی طرف سے دفاع میں دلچسپی رکھتی ہے، مسز اینی بسنت (MRS.ANNIE BESANT) کہتی ہیں:

"آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو مذہب اسلام پر اس لئے تنقید کرتے ہیں کہ یہ محدود تعدد ازدواج کو جائز قرار دیتا ہے، لیکن آپ کو میری وہ تنقید نہیں بتائی

جاتی جو میں نے لندن کے ایک ہال میں تقریر کرتے ہوئے کی تھی، میں نے سامعین سے کہا تھا کہ یک زوجگی کے ساتھ وسیع پیمانہ پر زنان بازاری کی موجودگی "نفاق" ہے، اور محدود تعدد ازدواج سے زیادہ ذلت آمیز ہے، قدرتی طور پر اس قسم کے بیانات کا لوگ برا مانتے ہیں، لیکن اسے بتلانا ضروری ہے کیونکہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عورتوں کے متعلق اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جارہے تھے، یہ سب سے منصفانہ قانون تھا .... جو دنیا میں پایا جاتا تھا، جائیداد، وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں مغرب سے کہیں آگے تھا۔ اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا، یک زوجگی اور تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے، اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر نہیں ڈالنا چاہتے، جسے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے، اور پھر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔(۱)"

مسٹر (N. L.COULSEN) لکھتے ہیں:

"بلا شبہ عورتوں کی حیثیت کے معاملہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں...... اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اسے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے

(1) THE LIFE & TEACHING OF MUHAMMAD , BY . ANNIE BESANT-MADRAS (1932)P.3

قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے۔(۱)"

مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جو اسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہو گئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہو گیا کہ وہ اسے وہ سب چیزیں دیدے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں۔

اسکے علاوہ اعلا طبقہ کی خواتین علوم اور شاعری سے دلچسپی لینے لگیں، اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقۂ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں، ماں کی عزت کی جانے لگی۔(۲)"

پیدائشِ نو اور انقلابِ عظیم

قرآنی آیات اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں عورتوں کے مقام کے بارے میں یہ نیا نقطۂ نظر گویا انسانی دنیا میں نوع نسواں کی نئی پیدائش کا حکم رکھتا تھا، کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس میں اور پالتو حیوان یا کسی بے جان چیز میں فرق نہ تھا، وہ زندہ دفن کر دی جاتی

(1) A HISTORY OF ISLAMIC LAW (EDINBURG. 1971) P.14

(۲) انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص۲۷۱ (نیویارک ۱۹۱۲ء)

تھی، رہن رکھی جاتی یا کسی محل کی گڑیا سمجھی جاتی تھی، اس صورتحال میں یہ انقلابی تعلیمات تمدن اور اخلاق، خانگی اور ازدواجی زندگی میں ایک مبارک اتفاق کی حیثیت میں سامنے آئیں، جن کا کم وبیش سبھی ملکوں اور معاشروں نے استقبال کیا، خاص طور پر ان ملکوں نے جہاں اسلام فاتحانہ داخل ہوا یا اسے حکومت وانتظام کا موقع ملا، یا جہاں وہ ایک اصلاحی دعوت اور عملی نمونہ کے طور پر پہنچا، اسلام کے اس انسانی تحفہ کی قدر وقیمت ان ملکوں میں بالکل ظاہر ہے، جہاں بیوائیں اپنے کو اپنے متوفی شوہروں کی چتا میں جلا ڈالتی تھیں اور نہ معاشرہ ان کو شوہروں کے بعد زندہ رہنے کا حق دیتا تھا اور نہ وہ خود اپنے کو اس کا حقدار سمجھتی تھیں۔

مسلمان بادشاہوں نے اپنے وقت میں بعض ہندوستانی رسم ورواج اور خاص طور پر "ستی" کی رسم کی اس طرح اصلاح کی کہ دینی عقائد اور ہندوستانی روایت کو نہ نقصان پہنچے اور نہ انکی بے حرمتی ہو، اس سلسلہ میں مشہور فرانسیسی سیاح اور طبیب ڈاکٹر برنیر (BERNIER) (جس نے شاہجہاں کے زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی) لکھتا ہے:

"آج کل پہلے کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے، کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرمانروا ہیں، اس وحشیانہ رسم کے نیست و نابود کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں، اور اگرچہ اس کے امتناع کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے، کیوں کہ ان کی پالیسی (تدبیر مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جن کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، دست اندازی

کرنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ ان کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں، تاہم ستی کی رسم کو بعض اونچ نیچ طریقوں سے روکتے ہیں یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہوسکتی' اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جبتک کہ قطعی طور پر اس کو یقین نہیں ہوجاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہیں آئے گی، صوبہ دار بیوہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے' اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنی محل سرا میں بھیج دیتا ہے' تاکہ بیگمات بھی اس کو اپنے طور پر سمجھائیں۔

مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عملداریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے (۱)"۔

☆☆☆

(۱) سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ج ۲ ص ۱۷۲۔۱۷۴ (امرتسر ۱۸۸۶ء)

خواتین کی خدمت میں چند باتیں

۱۹/جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سنٹر شکاگو (امریکہ) میں
خواتین کے سیمنار میں خطاب

اسلامی معاشرت

خواتین اور برادران! میں اس عزت افزائی کے لئے بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مجلس میں یاد کیا اور ایک اہم اور نازک موضوع پر جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اظہار خیال کا موقع دیا، میں اس کے لئے بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری خاطر اس پروگرام میں ترمیم گوارہ کرلی، یہ آپ کی شرافت اور خوش اخلاقی ہے، میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا اور بتاؤں گا کہ اسلام معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کا

تصور کیا ہے اور وہ اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔ یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقۂ اناث کو اور جنسِ لطیف کو کیا مقام دیا ہے، سورہ نساء کی پہلی آیت ہے:۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْرًا وَّ نِسَاءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ (سورۃ النساء آیت ۱)	لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی آدمؑ) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین) پر پھیلا دیا اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برداری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطعِ مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر نگہبان ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ طبقہ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد و عورت کی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اللہ تعالٰی نے اس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے کہ گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگواری

سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفسِ واحدہ سے ہے، پھر اس نفسِ واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد، کوئی بیر نہیں، بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت اور ہم سفری میں برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے کثیراً کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، قرآن مجید میں انقلابی طور پر یہ تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے، ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف، بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، "اتساؤل"

(مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے ،ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد، عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون شریکِ حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنادیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدہ، خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدہ پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت اس وقت جائز ہوتی ہے جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بنادیتا ہے، کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیقِ حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت اور اعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو اعتماد، جو الفت، جو سادگی اور جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے کسی اور رشتہ میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا،

یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام کا کرشمہ ہے۔

خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنی بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

یہ قرآنی معجزہ ہے کہ "تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ" کہہ کر معاشرۂ انسانی کا باہمی ارتباط پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی ان کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفۂ اجتماع عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو بیان نہیں کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید میں ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو

یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے لئے لباس کا لفظ

استعمال کیا جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آگیا جو زوجین کے باہمی تعلق و اعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت

اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد و نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا اور آپ نے فرمایا کہ:

> "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔"

چنانچہ اگر آپ سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا

کہ آپ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا تصور اور ان کا جو لحاظ تھا وہ طبقۂ نسواں کے بڑے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے سے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا اسی طرح وہ بڑے سے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں اور منیوں، یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دلجوئی ان کی جائز تفریحات میں شرکت، ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انھیں کے ساتھ نہیں، بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپ محض اس وجہ سے اختصار فرمادیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو، اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ ﷺ کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہوسکتی تھی آپ فرماتے تھے کہ:

"بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کے لمبی رکعت پڑھوں، لیکن جب کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو، اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے اس لئے نماز کو مختصر کردیتا ہوں۔"

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا

ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے، اس کی شرم بھی رکھنا، یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں ہمیں صرف اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام کا خاندانی نظام معاشرت بھی پیش کرنا ہے، مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جارہی ہے آپ کو بھی احساس ہوگا کہ مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک ابتری پیدا ہوگئی ہے، خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر و بیوی میں جو اعتماد اور محبت ہونی چاہئے روز بروز اس میں کمی آرہی ہے، اور اس وقت کے مفکر اور فلاسفر پریشان ہیں اور کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے، طرفین میں الفت و محبت ہونی چاہئے، جو زندگی کی حقیقی لذت ہے، اس میں فقر و فاقہ بھی ہوتا ہے تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کرلیا جاتا ہے، اب بھی ہمارے مشرقی ممالک میں بہت سے ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے ملتا ہے لیکن ان کو جنت کا مزہ آتا ہے کیونکہ آپس میں محبت ہے۔ وہ ایک دوسرے کا منھ دیکھ کر اپنا فقر و فاقہ اور اپنی تکلیف بھول جاتے

ہیں جہاں سب کچھ ہے، تمام وسائل کا قدموں پر ڈھیر لگ گیا ہے اور کائنات کی بہت سی طاقتوں کو انھوں نے مسخر کرلیا ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کرسکے جیسا کہ اقبالؔ نے کہا ہے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنہ سکا!

سکون کی تلاش

جس نے سورج کی شعاعوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے، زندگی کی تاریک رات کو صبح میں تبدیل نہیں کرسکا۔ اگر اقبال ہوتے تو کہتے کہ چاند تک پہونچنے والا اور ستاروں کی گذرگاہوں کی تلاش کرنے والا مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کرسکا، اپنے گھر کو گلدستہ اور جنت کا نمونہ نہ بنا سکا، جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی، اس کا گھر جہنم بنا ہوا ہے، بہت سے امریکی اور یوروپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں سکون کا کوئی سامان نہیں، اسلئے ہم دیکھ رہے کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں سکون تلاش کرتے ہیں کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں آتا، گھر آکر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہونچ گئے ہیں بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔

احتیاج اور احترام

میں سمجھتا ہوں جو یہاں دس دس برس بیس بیس برس سے زندگی گذار رہے ہیں وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں، مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کے احتیاج اور احترام پر قائم ہے ضرورت تو سب کو ہوتی ہے لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو اس کا احسان ماننا یہ الگ ذہنی کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں جو یہاں کی سوسائٹی کے لئے جو زندگی سے عاجز آچکی ہے، دلکش ثابت ہو اور وہ اسلام کے معاشرتی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی، بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی اور یہ اسلام

کی بھی ایک عظیم تبلیغ ودعوت ہوگی۔

میں ان لفظوں کے ساتھ آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ سمینار اور مجلس مذاکرہ اچھے فیصلے اور نتائج تک پہونچے۔

☆☆☆

اسلامی تمدن اور خواتین

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے قطر کی راجدھانی دوحہ کے گرلس ڈگری کالج میں معلمات، طالبات اور شہر کی نمائندہ خواتین کے اجتماع کو خطاب فرمایا، عربی سے مولانا سلمان الحسینی ندوی نے اردو میں ترجمہ کیا ____________

معزز خواتین! میرے لئے بڑا خوش گوار موقع ہے کہ میں آپ سے ایک دینی بھائی کی حیثیت سے گفتگو کروں، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان فاضل بہنوں سے بات کرنے کا موقع عنایت فرمایا، جن کی مدد اور تعاون کے بغیر کوئی صالح اور ذمہ دار سوسائٹی وجود میں نہیں آسکتی، مردوں کے سامنے تقریر کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے ہیں لیکن اس مبارک موقع پر میں اپنی فاضل دینی بہنوں سے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

انوکھا چیلنج

معزز خواتین! اسلام کو بالکل ابتداء ہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس سے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں کسی مذہب کو واسطہ نہیں پڑا۔

جزیرۃ العرب میں اسلام کے بعد جو دینی، اخلاقی، معاشرتی اور عقائدی تعلیمات لے کر آیا تھا، یہ چیلنج اس طرح سامنے آیا کہ اسلام کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں سے واسطہ پڑا، جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجربہ انسانی اور تہذیبی تاریخ میں نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن رومی اور ایرانی تمدن تھے، یہ تمدن تہذیب، آرٹ، آزادی، نکتہ رسی، تخیل کی بلندی، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے، راحت و آسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور ترقی کے آخری درجہ تک پہونچ گئے تھے۔ یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بڑی رعنائی رکھتے تھے اور بہت حساس تھے۔

رومی و ایرانی تمدن اور اس کے اثرات

رومیوں اور ایرانیوں کو کتابوں سے پٹے ہوئے کتبخانوں، عظیم الشان آلات و وسائل ، راحت اور زندگی گزارنے کے مختلف طرز و انداز، خانہ آبادی کے طور و طریق پر ناز تھا اور ان ساری چیزوں سے ان کا

تمدن مالا مال تھا۔

ان کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا دوسرے الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، در حقیقت یہ تجربہ جس سے اسلام کو گزرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقیناً آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاق عالیہ اور آداب حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب اور معاشرہ کی قیادت کی باگ ڈور رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس کا امکان تھا اور سارے قرائن بھی بتا رہے تھے کہ یہ عرب اور مسلمان جنہوں نے ایک تنگ و تاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں اور جن کے پاس بہت محدود وسائل ہیں، جن کی زمین دولت کے سرچشموں سے خالی ہے اور جو تمدن کے وسائل وذرائع سے بالکل محروم ہیں جن کی زندگی خیموں اور معمولی مکانات میں گزرتی ہے، اونٹوں اور گھوڑوں پر جن کے مواصلات کا دارومدار ہے، جن کی زندگی خانہ بدوش زندگی ہے امکان اسی کا تھا کہ یہ امت اسلامیہ روم وفارس کے تجربات کے سامنے جھک جائے گی اور اس بات کے قوی قرائن موجود تھے کہ جو امت ابھی اپنا دور طفولیت گزار رہی ہے وہ رومی اور ایرانی تہذیب کو اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ قبول کرلے گی، کیونکہ جب کسی بھی چیز کو مکمل طریقہ پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی خصوصیات ولوازمات سے دست بردار نہیں ہوا جا سکتا، عقل یہی کہتی تھی اور توقع اسی بات کی تھی، اس سے پہلے مسیحیت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔

رومی تمدن کے آگے مسیحیت کی سپر اندازی

مسیحیت ایک عدل و انصاف پر مبنی اور فطری مذہب تھا، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے، لیکن یہی مذہب جب یورپ میں داخل ہوا تو محفوظ نہ رہ سکا اور اس کا ڈھانچہ بدل گیا، کیونکہ اس کے پاس تہذیب نہ تھی، اس کے پاس ایسی جچی تلی اور مفصل تعلیمات نہیں تھیں، جو زندگی میں رہنمائی کر سکیں۔ اساتذہ و معلمین کو صحیح راہ دکھا سکیں، مفکرین اور حکام کی مدد کر سکیں، یہ مذہب یہودیوں کی قانونی تعلیمات پر مبنی ایک شریعت کا نام تھا، انصاف، انسانی مساوات انسانیت، کمزوروں اور مظلوموں پر رحم و شفقت اس کا شیوہ تھا، یہودیوں کی سنگدلی اور ظلم زیادتی پر وہ سخت تنقید کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس مذہب اور اس کے پیروؤں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ کسی خاص تمدن کے حامل ہیں کسی خاص تہذیب کے داعی اور علمبردار ہیں مسیحیت جب یورپ میں داخل ہوئی جہاں پہلے یونانی پھر رومی تہذیب ترقی کے بام عروج تک پہونچ چکی تھی، جہاں عقل انسانی نے فلسفہ، ادب اور علوم ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، مسیحیت جیسا سادہ مذہب وہاں داخل ہوا تو اس کو بالکل ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس کی کوئی توقع نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیت نے یورپی تمدن سے جس کی قیادت رومیوں کے ہاتھ تھی، صلح کر لی، یا دوسرے الفاظ میں اس کے سامنے سپر ڈال دی، اس

رومی تمدن کی اساس گزشتہ یونانی تہذیب پر تھی، مسیحیت نے جب اس تمدن سے رگڑ کھائی تو اس کے سامنے جھک گئی اور اس کے سانچہ میں ڈھل گئی، اور مکمل طور پر شکست کھا گئی، اس کے اندر مقابلہ کرنے اور سنبھلنے کی قوت نہ تھی وہ خود اعتمادی زندگی اور طاقت و نشاط سے بھرپور چیلنج کے سامنے ٹھہر نہ سکی، نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت محدود تعلیمات، محدود قوانین، انسانی مساوات، رافت و رحمت عدل و انصاف، توحید باری تعالیٰ اور وہ بھی ایک مختصر اور محدود زمانہ تک سے آگے نہ بڑھ سکی، معاشرتی نظام، عائلی زندگی، ادب و فن اور بہت سی اخلاقی اور انسانی قدروں میں وہ ترقی یافتہ رومی تمدن کے سراسر زیر اثر ہو گئی۔

یہ واقعہ اس لئے پیش آیا کہ مسیحی مذہب اس قوت سے محروم تھا جس کے ذریعہ وہ اس چیلنج کا مقابلہ کرتا، رومی تہذیب کی چمک دمک سے خیرہ نہ ہوتا

تاتاری اور اسلامی تمدن

دوسرا تجربہ انسانی تاریخ میں تاتاریوں کا تجربہ ہے، آپ الحمد للہ تعلیم یافتہ اور گریجویٹ خواتین ہیں، آپ جانتی ہیں کہ درندہ صفت منگولین یعنی تاتاریوں نے خود عالم اسلام پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کیا، وہ اس سیل رواں کی طرح ٹوٹ پڑے جس کا روکنا اور مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، انہوں نے جب عالم اسلام کو اپنا نشانہ بنایا تو وہ طاقت سے بھرپور تھے، ان کے پاس ہزاروں سال کی محفوظ طاقت تھی، جس کا انہوں نے استعمال نہیں کیا

تھا، ان کی طاقت سے ٹکر لینا آسان نہ تھا، انہوں نے عالم اسلام پر حملہ کر کے خون کی ندیاں بہادیں اور عالم اسلام کی شان و شوکت کا چراغ گل کر دیا اسلام اور مسلمانوں کی بے حرمتی کی مسلمان اس طاقتور اور بلاخیز سیلاب کے سامنے پیچھے ہٹتے رہے، ان کی حکومتیں ایک ایک کر کے شکست کھاتی رہیں اور مسلمانوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ ان کے اندر تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں، نیز تاتاریوں کو کوئی طاقت پھیر نہیں سکتی کسی میں دم نہیں کہ ان کو زیر کر دے۔

یہاں تک کہ یہ بات ضرب المثل سی بن گئی، اگر یہ کہا جائے کہ تاتاری فلاں معرکہ میں شکست کھا گئے تو کہہ دینا کہ جھوٹ ہے تاتاری اور شکست کھا جائیں، یہ خونخوار درندے اور پسپا ہو جائیں ناممکن ہے عقل اس کو قبول نہیں کرتی تاتاریوں کا رعب پورے عالم اسلام پر چھا گیا تھا ایسا ہولناک خوف و رعب جس کا شاید کبھی کسی انسان کو تجربہ نہ ہوا ہو، سب ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد تھے ان کے رحم و کرم کے منتظر تھے لیکن آخری نتیجہ کیا رہا۔

اسلامی تمدن کی فتح

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام جس کو بظاہر ان کے سامنے شکست کا منھ دیکھنا پڑا تھا، جو ان کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا تھا، اسی نے ان فاتحین کو فتح کر لیا، اس نے تلوار کی نوک سے نہیں فتح کیا، کیونکہ اس کی تلوار کند ہو چکی تھی،

مسلمانوں کی تلوار نیام میں تھی وہ مایوس ہو چکے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تلوار کچھ نہ کر سکے گی، اس کی دھار تاتار کے مقابلہ میں بیکار ہو چکی تھی وہ کیا چیز تھی جس نے تاتار کو فتح کیا؟ وہ دین کا اعجاز تھا، جو دائمی، ابدی، غالب و فاتح حسین و خوشنما، دلکش و دلنواز دین ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسلامی تمدن نے ان کو اپنا مفتوح بنالیا، کیونکہ تاتار تمدن سے عادی تھے، وہ انسانوں کی شکل میں درندے یا درندہ نما تھے دنیا سے کٹی ہوئی ایک تنگ وادی سے اس کشادہ و وسیع دنیا میں آئے تھے، جس نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کر لیں تھیں، ان کو ایک تمدن کی ضرورت تھی، صحرا کی زندگی میں ان کو تمدن سے مس نہ ہوا تھا، وہ نیا تمدن اختیار کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ کوئی قوم بھی تمدن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، نئی زندگی کے لئے مسائل تھے، کھانے پینے پہننے اوڑھنے، معاشرت اور مہمان نوازی کے نئے طریقے تھے، گھروں کی تعمیر کس طرز پر ہو، رہائش گاہوں کو آرام دہ، صحت بخش، نشاط و سرور سے بھرپور کس طرح بنایا جائے، یہ سب مسائل تھے، اس سے پہلے وہ نہایت سادی بدویانہ زندگی گزارتے تھے، اب وہ ایک نئے تمدن کے سامنے تھے اس وسیع اسلامی تمدن سے ان کا معاملہ تھا جو مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا، اس تمدن نے علوم کو ترقی دی تھی اور صنعتوں کی ایجاد کی تھی، عقل انسانی کو سنوارا تھا، لوگوں کو ذوق لطیف عطا کیا تھا، ان کے لئے ایک نئی حیرت انگیز زندگی پیدا کر دی تھی، اس تمدن نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر لیا

اور ان کو اسلامی تہذیب و تمدن کی تقلید کرنے پر مجبور کردیا، وہ اسلام کے قلب میں پگھل گئے اور اسلامی زندگی میں گھل گئے، انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور قبول اسلام سے مشرف ہوئے، تو دراصل اسلامی تمدن ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔

مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کے آغاز کے موقع پر پہلی صدی ہجری کے بالکل ابتداء میں بعثت رسول اللہ ﷺ کے وقت اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب شام و مصر اور عراق و ایران کو فتح کیا تو نہایت ترقی یافتہ دو تمدن ان کے سامنے تھے، جن کی مادی ترقی کا تصور بھی اس وقت کے مسلمانوں کے لئے مشکل تھا، یہاں تک کہ تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ انہوں نے چپاتیاں دیکھی تو یہ سمجھے کہ ہاتھ پوچھنے کے لئے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد جب ہاتھ پوچھنے کے لئے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے، غرض یہ کہ دینی فتوحات کا جب دور شروع ہوا تو ان کو ایک نئے ترقی یافتہ اور دلکش تمدن سے سابقہ پڑا، جس سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

لیکن کیا بات تھی جس نے ان کو اس تہذیب و تمدن میں گھل جانے اور پگھل جانے سے محفوظ رکھا، وہ بات یہ تھی کہ انہوں نے اس تمدن کو نہ تو اپنایا، اور نہ زندگی میں اس کی تقلید کی، اس طرح اسلامی تمدن محفوظ رہا اور صحیح و سالم طریقہ سے آج ہم تک پہونچ سکا آج یہ اسلامی تمدن جس طرح

یہاں ہے ویسے ہی ہندوستان وپاکستان میں ہے، سعودی عرب اور مراکش میں ہے، اور افریقہ اور ایشیا میں ہے، اس پوری مدت میں یہ تمدن کس طرح اپنی حفاظت کر سکا؟ اس تمدن کے بقاء اس کی قوت اور ٹھہراؤ اور یہاں کے چیلنجوں پر اس کے غلبہ حاصل کرنے کے پیچھے کیا راز ہے، وہ چیلنج جس کا مقابلہ نہ مسیحی کر سکے نہ وہ تاتاری فاتح جنہوں نے سارے عالم کو زیر کر لیا تھا اور پورے عالم اسلام کو روندڈالا تھا، لیکن تمدن کے مسئلہ پر وہ بھی قابو نہ پا سکے تھے۔

مسلمانوں نے اس پیچیدہ اور انوکھی مشکل پر کیسے قابو پایا؟ بہت سے مصائب ومشکلات ایسی ہوتی ہیں جن کو سہار لیا جاتا ہے، مثلاً دینی تعصب کی بنیاد پر ظلم و تعدی جس سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا رہتا ہے، اور وہ اس کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، ہم ہندوستان میں بہت سے چیلنجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں، ہندی قومیت کا چیلنج، غیر اسلامی تعلیم و ثقافت کا چیلنج، بت پرستی اور شرک کا چیلنج، اللہ کے فضل سے ہم نے ان چیلنجوں کا مقابلہ کیا اور ڈٹ کر کیا، لیکن جب مسلمان ابتدائی دور میں تھے، بدوی زندگی گزار رہے تھے، سیدھی سادی معیشت تھی، اس وقت انھوں نے اس تمدن کے چیلنج کا کیسے مقابلہ کیا، حالانکہ تہذیب وتمدن کا چیلنج بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا مسلمان اپنی دعوت اور اپنے پیغام پر فخر کرتے ہیں

وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کا دین کامل اور مکمل ہے اور خاتم الادیان ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت آخری نبوت ورسالت ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن رکھا تھا کہ "ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے مذہب کے سلسلہ میں اسلام کو پسند کیا، ان کو اس دین کی صلاحیت، قابلیت اور طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔

قرنِ اول کے مسلمانوں کا ایمان ویقین

ان کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، ان کو اپنے دین پر فخر وناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے، تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف وسنان بھی ہے، قرآن بھی، وہ مسجد ومحراب بھی ہے اور حکومت وایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دوا سمجھتے تھے اور صحت بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب ہے اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں

نجات نہیں اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے اس کا دین سے کیا تعلق، دین ایک الگ شئے ہے اور تمدن بالکل الگ شئے، دین جدا اور تہذیب جدا، اس لئے اگر ہم مغرب کی تقلید کریں اور مغربی تہذیب کو اپنائیں تو اس میں ہمارے دین و عقیدہ کے منافی کوئی بات نہیں۔

عرب کے ابتدائی بدو اس نظر سے روم و فارس کے تمدن و تہذیب کو نہیں دیکھتے تھے وہ اس کے بارے میں کہہ سکتے تھے جو آج ہم امریکن اور یورپین تہذیب و تمدن کے متعلق کہہ رہے ہیں، اس وقت کی ایرانی اور رومی تہذیب و تمدن اور آج کی امریکی اور مغربی تہذیب و تمدن حتی کہ روسی تمدن میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں، یہ سارے تمدن ایک ہیں جن کو ہم میکانکی، مادی، مصنوعی اور ظاہری تمدن سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس طرح بہت سے مسلمان افراد اس تمدن کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سب عقل انسانی اور تجربات کی آخری منزل ہے، تو اگر کل صحرا کے بدو اس وقت کی تہذیب و تمدن کو دیکھ کر کہتے تو معذور ہی سمجھے جاتے، وہ تہذیب و تمدن کی چمک دمک سے بالکل ناواقف تھے، آنکھوں کو چکا چوند کرنے والے مظاہر انھوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، اب اگر روم کے کسی شہر، بازنطینی حکومت کے کسی شہر، یا ایرانی ساسانی مملکت کے کسی شہر میں داخل ہو کر ان کے منھ میں پانی بھر آتا، اس تمدن پر فریفتہ ہو جاتے اور کہنے لگتے، کیا کہنے اس تمدن کے، اس کاریگری، اس عیش و تنعم کے، انسانی عقل کہاں تک پہونچ گئی !! اور کیسی تہذیب کو جنم

دیا ہے، اگر وہ یہ کہتے تو میں انہیں معذور سمجھتا، کیونکہ وہ صحرائے عرب کا ایک بدو ہی تھا جس کی آنکھیں ایک ترقی یافتہ ملک کے دارالسلطنت میں آکر خیرہ ہوئی جارہی تھیں اور وہ اس تمدن کے سامنے ہوش باختہ ہوگیا، لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور اس عجیب تجربہ کے سامنے جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ تھا، اعتراف سے اس کی گردن جھک جاتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ عربی مسلمان اس تمدن سے بالکل متاثر نہیں ہوئے اور وہ اپنی اسلامی شخصیت کے محافظ وپاسبان رہے۔

آج عالم عربی کے کسی ملک کے دارالسلطنت مثلاً امارات میں ابوظبی یا قطر میں دوحہ کو ہی لے لیجئے، وہاں ہم ضروری سمجھنے لگے ہیں کہ ہمارے گھروں کا طرزِ تعمیر اور فرنیچر بالکل ویسے ہی ہو جیسا انگلینڈ یا امریکہ میں ہوتا ہے ہماری تہذیب اور ان کی تہذیب میں مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو، لیکن سوچئے کہ وہ عربی اور بدوی مسلمان کس طرح اپنی اسلامی شخصیت کو مضبوطی سے تھامے رہے، ایرانی اور رومی تہذیب کے آگے انہوں نے سر خم نہ کیا، یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے جس کو حل ہونا چاہیے، یہ ایک سوال ہے جو جواب طلب ہے، اور اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان مرد وعورت کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، ان کو اپنے دین اور خدا کے آخری پیغام کی

صلاحیت اور انسان کے لئے کامل و مکمل اور رہنما دین پر مکمل بھروسہ تھا اور اسلامی شخصیت، اسلامی زندگی، جس کا نمونہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں انھوں نے دیکھا تھا اور ان تک وہ انھیں کے واسطے سے پہنچی تھی، شرم وحیاء عفت وطہارت، حجاب، آدابِ معاشرت، تواضع ولینت، طہارت وپاکیزگی، اسلامی ذوق، سادگی، اسراف سے پرہیز، قناعت، آپس کا احترام واکرام، عدل وانصاف، حقوقِ زوجیت کا پاس ولحاظ، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، یہ وہ صفات وامتیازات ہیں جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے مکمل تعاون کا نتیجہ ہیں، اس طرح وہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب اور اسلامی شخصیت کی حفاظت کر سکے، مرد کارگہِ حیات، مدرسوں میں، محکموں میں، عدالتوں میں، اور گھر سے باہر کی دنیا میں اور خواتین گھروں میں، اس طرح وہ معاشرہ کامل و مکمل ہم آہنگ ویک رنگ اور تعاون کے اصول پر کاربند تھا، مسلمانوں کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ شہر میں اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، ان کے قدم انطاکیہ پہنچے، انھوں نے دمشق، حلب وحمص پر حکومت کی، قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، سندھ کو فتح کیا، ملتان، بخارا و سمرقند، ان کے قدموں کی خاک بنے، دلی ان کی پابوس ہوئی، لاہور و لکھنؤ ان کے قدموں سے مشرف ہوئے، یہ تمام شہر اپنا ایک تمدن رکھتے تھے، جو بہت پرانا، اور ترقی یافتہ تھا، ذوق لطافت سے

آراستہ تھا، لیکن مسلمان جہاں جاتے تھے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن لے کر جاتے تھے، وہ نہ صرف اپنے تمدن کی حفاظت کرتے تھے، بلکہ تہذیب و تمدن کا سکہ جمادیتے تھے، بہت سے لوگ ان کی تہذیب کے گرویدہ ہو جاتے تھے، اور آخر کار ان قدیم تہذیبوں کے چراغ کو گل ہونا ہی پڑتا تھا، اور تابناک اسلامی تہذیب کا آفتاب روشن ہو جاتا تھا، مسلمان اندلس گئے، اندلس یورپ کا ایک قلعہ ہے، مسلمانوں نے وہاں ایک حسین تمدن کی بنیاد ڈالی اور یک نیا طرز تعمیر ایجاد کیا، جو آج بھی اندلس کے لئے باعثِ زینت ہے، آج بھی وہ مسجد قرطبہ، قصر حمراء اور اشبیلہ کی مسجدوں سے بہتر کوئی چیز سیاحوں کی زیارت کے لئے پیش نہیں کر سکتے، حکومت ہندوستان اپنے ملک میں کثرت سے آثارِ قدیمہ کے باوجود تاج محل سے زیادہ حسین وخوشنما، جامع مسجد اور لال قلعہ سے بڑھ کر پُر عظمت، پُر شکوہ، آثار نہیں پیش کر سکتی، مسلمان اپنی تہذیب و تمدن کو ساتھ لے کر گئے، انھوں نے وہاں اس کی آبیاری کی، اس کو اور وسعت دی اور حسین سے حسین تر بنایا، انھوں نے استفادہ بھی کیا، انھوں نے وہاں کے فنِ تعمیر، وہاں کی سلیقہ مندی اور طبیعت کے گداز، وہاں کے حسن و جمال کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلامی تہذیب کا اضافہ کیا۔

مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا معاملہ

لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ مغربی

تہذیب کے ساتھ ہمارا وہ معاملہ نہیں جو ہمارے اسلاف کا ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن کے ساتھ تھا، یہ ایک سوال ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ، موجودہ مغربی معاشرہ کے سامنے کیوں شکست کھا گیا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آج کا مغربی تمدن اپنے دور کے لئے اس وقت کی رومی اور ایرانی تہذیب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مؤثر ہے، اس وقت مسلمانوں نے اپنی تہذیب وتمدن کی بھینٹ نہیں چڑھائی، بلکہ وہ فخر وعزت سے کہتے تھے کہ ہماری تہذیب افضل ہے، ہمارا ادب ولٹریچر تم سے زیادہ قدیم، ہماری تعلیمات زیادہ بہتر ہیں، ہمارے آداب واخلاق اعلیٰ واحسن ہیں۔

بجائے مقابلہ کے پیروی

مغربی تہذیب کے بارے میں ہمارا موقف روم وفارس کی تہذیب کے متعلق ہمارے اسلاف کے موقف سے بالکل جداگانہ ہے، اس کا سبب اولین ہمارے ایمان کی کمزوری، خود اعتمادی کا فقدان اور خودی کا زوال ہے، ہمارے سامنے مغربی تمدن کی کوئی چیز آتی ہے تو ہم لپک پڑتے ہیں، ہم بے ساختہ بول اٹھتے ہیں کہ جدید دنیا کی اس ترقی سے ہمارے آباؤ اجداد واقف نہ تھے، ہماری مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی پرورش ونشو ونما کسی گاؤں میں ہوئی ہو، اس کے بعد اس کو کسی بڑے شہر کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ہر چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے، پٹری پر چلنے والی ریل گاڑی، فضا میں اڑنے والے ہوائی جہاز، ساری چیزیں اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں، ہمارا

معاشرہ بھی سنِ رشد کو نہیں پہنچا، یہ بچکانہ معاشرہ ہے، حالانکہ ہم حقدار تھے کہ ان کی تہذیب و تمدن کو چیلنج کرتے اور پوری طاقت سے کہتے، اے مغربیو! ہماری شاگردی اختیار کرو، ہم سے سیکھو، طہارت و نظافت، خوش پوشاکی اور اعلیٰ طریق زندگی، زندگی کے اصول ہم سے سیکھو، ہم سے شرم و حیا اور عفت و پاکیزگی کا سبق لو، تم اگر صفائی، ستھرائی، لطافت و جمال اور ہدایت و اصلاح کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرو، لیکن ہم میں یہ کہنے کی جرأت نہیں، اس لئے کہ ہمیں اپنی ذات، اپنے دین، اپنے عقائد، اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنی فہم و دانائی پر اعتماد نہیں رہا، ہم بداعتمادی کا شکار ہو گئے، ہم تہذیب و تمدن اور انسانی قدروں میں غیروں کے دست نگر اور بھکاری ہو چکے، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی اہمیت و عظمت نے ہمیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا شروع کیا، ہمارے ہوش و حواس باختہ کر دیئے، ہم پروانہ وار اس پر گرنے لگے، ہم اس طرح اس تہذیب پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے، جس طرح پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ایک دیا تھا جس کی روشنی دیکھ کر پروانے آگئے، اور اس کی لو سے ٹکرا کر موت کے منہ میں چلے گئے، ہم نے مغربی تہذیب کے سامنے اپنی حقیقت اور اپنی قدرت و اختیار کو بھولی بسری کہانی بنادیا، اگر ہم کو فائدہ ہی اٹھانا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہم اپنے مطلب کی نفع منداور کار آمد چیزیں اختیار کر لیتے اور " وَخُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدِرْ " کے قدیم حکیمانہ قول پر عمل

کرتے ہوئے ان صاف ستھری چیزوں کو اپناتے جو ہمارے عقائد، اخلاق و اقدار سے ہم آہنگ ہوتیں، ہم مغرب کی ٹکنالوجی اور سہولت و راحت کے مفید وسائل اختیار کر کے ان کو اپنے تابع، اپنے ماحول کے مطابق اس طرح بناتے کہ یہ تہذیب و تمدن ہمارے تابع ہو کر رہتا۔

اسلامی تہذیب کی حفاظت میں خواتین کا حصہ

غیر اسلامی تہذیب و تمدن کے سلسلہ میں مسلمان خواتین کا موقف ایک روشن اور باعزت موقف تھا اگر مسلمان خواتین کا یہ رویہ نہ رہا ہوتا تو مسلمان رہنما، امراء و حکام، سلاطین و بادشاہ اور اسلامی سپاہ کے کمانڈر اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اگر تقویٰ شعار، امانتدار، شریف پختہ ایمان والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور اس کی بقاء کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون نہ کرتیں، اسلامی عائلی نظام کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھ رہا ہو اور جہاں پاکیزگی، محبت و امن کی فضاء ہو، تعمیر میں مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی تشخص، اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اسلامی وجود کی بقاء میں بڑا حصہ ہے،

ان کی حفاظت کے نتیجہ میں دین اپنی تہذیب و تمدن اپنی معاشرت و اخلاق، اپنے اقدار و تصورات کے ساتھ صحیح و سالم ہم تک پہنچا۔

خواتین سے آج بھی توقع ہے

آج بھی ہمیں اسلامی سوسائٹی کے اس عظیم رکن اور جسم اسلامی کے اس موثر و فعال عضو سے توقع ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا سایہ بننے کے بجائے اپنے اوپر مغربی تہذیب کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں گی، ان کو چاہیے کہ اس مغربی تہذیب کے پیچھے دوڑنے اور اس ریس میں شریک ہونے کے بجائے اس کے ضروری اور مفید اجزاء اختیار کریں، اور اس چیز کو ترک کردیں جو دین ان کی عزت و شرافت، ان کے اخلاق و آداب اور ان کی اسلامی شخصیت کے منافی ہو، ہمارے گھر اسلامی گھروں کا نمونہ ہوں، کوئی یورپین آدمی آئے اور کسی مسلمان کے گھر میں داخل ہو تو اسلامی نظم و نسق، ثقافت، حیاء و عفت، شرم و حجاب، پردہ، احترام، چھوٹوں پر شفقت اور محبت و اخوت کے اسلامی مظاہر دیکھے، وہ شوہر بیوی، بھائی بہن، ماں باپ کے درمیان تعلقات کی وہ نوعیت دیکھے اور زندگی کا وہ طرز اس کے سامنے ہو، جس سے وہ بالکل ناواقف ہے، بجائے اس کے ہم ان کی تقلید کریں، وہ ہمیں دیکھ کر جب واپس جائیں، تو ان کے دل کی آواز ہو کہ ہمیں اسلامی تہذیب و تمدن کی نقل کرنا چاہیے، وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے جا کر بتائیں کہ ہم نے ایک اسلامی ملک میں تھوڑا وقت گزارا اور جو دیکھا وہ بیان سے باہر

ہے، سچ یہ ہے کہ ہم نے جنت ارضی دیکھ لی، ہم نے ایک مسلمان کا گھر کیا دیکھا، گویا جنت دیکھ لی، خدا کی قسم یہی اسلامی زندگی جنت ہے اور جو زندگی ہم گزار رہے ہیں وہ آگ کی بھٹی ہے، یہاں سے واپس ہونے والا امریکن پھر امریکنوں سے کہے گا کہ اے لوگوں! تم دوزخ میں جل رہے ہو خدا کی قسم مسلمان جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ امریکہ اور یورپ جا کر یہاں کا آدمی دیکھتا ہے کہ سارے عرب ممالک ایک ایڈیشن ہیں یہ سب ایک کتاب کا ایک ہی ایڈیشن ہیں جس میں صفحہ سطر حرف سب یکساں ہیں وہیں کا آدمی یہاں آتا ہے تو اسے مغربی تہذیب کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، اس لئے وہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ سکون امن وامان، راحت اکرام، انس ومحبت اور قلبی اطمنان اسلامی زندگی کے خصائص ہیں

میں نہیں کہتا کہ آپ بجلی، کار اور دوسری تمدنی سہولتوں سے مستغنی ہو جایئے لیکن میں کہتا ہوں کہ اعلیٰ اقدار اور ہماری تہذیب اسلامی ہونی چاہئے اور آپ اپنی فہم ودانائی اپنے عزم وارادہ سے، جس میں عورتیں مشہور اپنے ارادہ کی پکی ہوتی ہیں، صحیح اور سچی اور اسلامی زندگی کی نمائندگی کر سکتی ہیں، آپ کلیۃ البنات قطر کی معزز خواتین ایک نئی شاہراہ قائم کر سکتی ہیں، آپ پاکستانی، انڈونیشی اور ہندوستانی عورتوں کے لئے راہ ہموار وآراستہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، کیونکہ آپ کو قیادت ورہنمائی کا مقام حاصل ہے، آپ اس اسلامی عربی شہر میں عالم انسانی اور عالم اسلامی عالمی

قیادت کے منصب پر فائز ہیں۔

میں ان گزارشات کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں اور اپنی فاضل اور معزز بہنوں سے بات کرنے کا جو مبارک موقع ملا، اس پر شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھی بھی گئی ہوگی اور انشاءاللہ نتیجہ سے خالی نہ رہے گی اور یہ شہر اس تجربہ کو عملی شکل دینے میں قائدانہ کردار ادا کریگا۔

☆☆☆

دین میں خواتین کا حصّہ

رحمت خداوندی مرد و عورت پر عام ہے

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (سورۃ آل عمران)

اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل ایمان کی دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے کہ ان اہل ایمان نے خوب دعائیں کیں، یہ معمولی دعائیں نہیں تھیں، بڑی مومنانہ، بڑی مبصرانہ، بڑی مردانہ دعائیں، مردانہ لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ایک مردانہ دعا ہے۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا

تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادُ یہ ایک بلند ہستی کی دعائیں تھیں۔

انہوں نے ایک بات اور کہی۔

" رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِ يْمَانِ " ہم نے ایک پکارنے والے کو پھر ایک منادی کو پکارتے ہوئے سنا " اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ " اپنے رب پر ایمان لاؤ " فَاٰمَنَّا " ہم ایمان لائے " وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا " ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمارے گناہوں سے درگزر کر۔

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں میں ذہن مردوں ہی کی طرف جائیگا، منادی اور قبول کرنے والے مرد اور میں یہ کہتا ہوں کہ پیش پیش رہنے والے اور اسکو مردانہ وار لبیک کہنے والے مرد تھے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ جب اجر کا اور دعاؤں کی مقبولیت کا ذکر کرتا ہے تو مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتا ہے، حالانکہ وہاں پر کوئی سیاق و سباق اور قرینہ نہیں ہے، خاص طور سے مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر کرتا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ " دعا کرنے والے مرد ہیں اور فرماتا ہے کہ اللہ نے انکی دعا قبول کی۔

یہاں پر کوئی ادیب یا انشاء پرداز ہوتا، کوئی مقنن یا کوئی ماہر نفسیات ہوتا کوئی عورتوں کی آزادی کا حامی اور محرک ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں پر عورتوں کو فراموش کردیتا یہ کیا موقع تھا، اور کیا ذکر تھا، ساری

دعائیں مردوں کی اور سارے کام وہ جن میں مرد پیش پیش تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت دیکھئے، وہ ذکور واناث دونوں جنسوں کا خالق ہے، دونوں پر اس کی یکساں شفقت کی نظر ہے، وہ رب العٰلمین ہے، فرماتا ہے:

" فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ۔ (ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی اور میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، عامل کا لفظ تذکیر کا ہے، یہاں تک مردوں ہی کا ذکر تھا" لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ " میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے، کسی محنت کرنے والے، کسی کوشش کرنے والے کی کوشش، کسی قربانی دینے والے کی قربانی کو ضائع نہیں کرتا۔ فرماتا ہے " مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى" یہاں ایک دم سے عورتوں کو یاد فرماتا ہے اور انکو شرف بخشتا ہے کہ وہ عمل کرنے والا، وہ دعا کرنے والا، چاہے مرد ہو یا عورت۔

رحمتِ الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے

میں اس کو پورے وثوق کے ساتھ اور خم ٹھونک کر کہتا ہوں کہ اور کسی چیز میں مساوات ہو یا نہ ہو اور بعض چیزوں میں مساوات، اسلامی شریعت کے تحفظ اور فطرت انسانی کی معرفت پر مبنی بصیرت سے کام لیتی ہے، لیکن ایک چیز ڈنکے کی چوٹ پر کہی جاسکتی ہے کہ رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے، اس میں کوئی تحفظ نہیں ہے، کسی قسم کا ریزرویشن اور کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

"فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ" پورا سیاق و سباق دیکھئے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور اعجاز قرآنی سے بڑھ کر رحمت یزدانی کا قائل ہو جائے گا اور کوئی جھوم اٹھے اور کسی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے اور ان کے رونگٹے رونگٹے سے شکر کے ترانے نکلیں، بلکہ ابلیں، تو بھی بالکل بجا ہے اور بر محل ہے، یہاں یہ کوئی موقع نہ تھا، مردوں نے بھی (اللہ ان کو معاف کرے) اپنی دعاؤں میں اپنی بہنوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اپنی ماؤں تک کا تذکرہ نہیں کیا تھا، حالانکہ ماں تو ماں ہی ہے، انہوں نے دعا اپنے لئے کی تھی، ساری کی ساری چیزیں مذکر کی استعمال کی تھیں، لیکن اب اس رب العالمین کی رب العالمینی دیکھئے اور اس کی رحمۃ للعالمینی دیکھئے، فرماتا ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى" اور پھر اس کے بعد مہر لگاتا ہے "بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ" تم بھول کیوں گئے تھے، گویا ان دعا کرنے والے مردوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم اپنے جسم کے اتنے بڑے حصہ اور حیات انسانی کے ایک اتنے اہم عنصر کو بھول کیوں گئے تھے؟ اپنے لئے شرط حیات کو بھول گئے تھے تو تم بھولے ہم نہیں بھولے، تم سو بار بھولو، ہزار بار بھولو، لیکن ہم بھولنے والے نہیں ہیں۔

"فِيْ كِتَابٍ لَآ يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى" حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا تو ان کے رب العزت نے جواب دیا "لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ" میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا ہوں۔ بغیر سیاق سباق

کے فرماتا ہے "مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى" چاہے وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت، کیا تعجب کی بات ہے؟ تم ہو ہی ایک دوسرے کے، تم ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو، معاشرت انسانی بلکہ حیاتِ انسانی ان دونوں عنصروں سے مرکب ہے، ان کا انفصال ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

عمل کا نتیجہ دنیا میں بھی نکلے گا اور آخرت میں بھی

جب میرا ذہن اس آیت کی طرف گیا تو معانی اور مضامین کا ایک عالم سامنے آگیا کہ "لَا اُضِیْعُ" کی وسعت اور اس کی بے پایانی دیکھئے کہ اس نے یہاں پر لا اضیع عمل عامل منکم فرمایا ہے اور عربی کے لفظ "اَضَاعَۃ" کا استعمال ہوا ہے یعنی اس کی کوشش کا نتیجہ یہاں دنیا میں بھی ظاہر ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا، یہ آیت دنیا اور آخرت دنوں پر حاوی ہے آیت یہ نہیں کہتی کہ عورتیں عبادت کرکے دنیا میں کوئی نتیجہ نہ پائیں گی، محنت کریں علم کے لئے اور علم حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں تربیت میں اور اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں زندگی کو پر لطف، بامعنی اور بارونق بنانے میں اور اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اور سارا اجر آخرت کے لئے اٹھا رکھا جائے، بلکہ فرمایا جس میدان میں تم دونوں محنت کروگے، اس میں اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھوگے۔

عورتیں ولایت کے میدان میں بھی پیچھے نہیں

اس کا پورا امکان تھا کہ ولایت کے میدان پر پوری اجارہ داری

مردوں کی ہوتی، اس لئے کہ ولایت اور قبولیت عند اللہ کا یہ میدان بڑی خصوصیات کا طالب ہے اور اس کو مردوں سے کچھ مناسبت ہے، مجاہدہ اور جہاد کرنا رات رات بھر نمازیں پڑھنا روزے رکھنا، یہ مردوں کیلئے آسان ہے۔

عورتوں کی بہت سی صنفی خصوصیات ہیں، بہت سی خانگی ذمہ داریاں ہیں تربیت و پرورش اولاد، کسی کو بچہ کو اپنے ساتھ سلانا ہے اور بچہ میٹھی نیند سو رہا ہے، بچہ کی بیماری میں تیمارداری کرنی ہے، اس کے لئے اتنی عبادت ممکن کہاں ہے جتنی مرد کے لئے، وہ مسجد سے آیا اور سو گیا، یا مسجد میں جا کر سو گیا، رات بھر عبادت کرے، ولایت کے سلسلے میں بالکل امکان تھا کہ ہم اولیاء اللہ سے واقف ہوتے، اور ایک عورت کا نام بھی نہ سنا ہوتا، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی قبولیت عام اور ان کی مقبولیت عند اللہ اور مقبولیت عند الخلق اور ان کی ولایت کا جو شہرہ دنیا میں ہے (جب کہ پچھلی امتوں میں کسی ولی تک کا نام محفوظ نہیں ہے) اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو سو درجہ کی شہرت حاصل ہے تو میں عرض کروں گا اور اس میں گستاخی نہیں سمجھتا کہ پچاس درجہ کی شہرت رابعہؒ بصری کو بھی حاصل ہے۔

آپ کسی کو ردہ مقام پر چلے جایئے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بچہ بچہ جانتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا کے کونے کونے میں جا کر دیکھا ہے، جہاں چار مسلمان رہتے

ہیں وہاں سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کا نام کسی نہ کسی طریقہ سے خواہ اس پر شریعت کی رو سے کوئی پابندی عائد کی جائے اور اس پر کلام کیا جائے، مگر مختلف ناموں سے ان کو دنیا میں یاد کیا جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ دوسرے نمبر پر رابعہؒ بصری کا بھی یہی حال ہے اور ہر پڑھا لکھا آدمی کم از کم رابعہ بصریؒ سے تو ضرور واقف ہے، یہ بات عبادت وریاضت کی ہے۔

علم کا میدان عورتوں کے کارناموں سے درخشاں ہے

علم کے سلسلہ میں مجھے افسوس ہے کہ فضلائے امت کی تو سیکڑوں تاریخیں ہیں، مگر فاضلات کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مورخین کو سوانح نگاروں کو جیسے ابن خلکان، طبقات الشافعیة الکبریٰ، طبقات حنابلہ وغیرہ، انہوں نے عورتوں کو بالکل نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ادبی تاریخوں میں ان کے نام آتے ہیں، صرف یہی ایک مثال دیتا ہوں شاید بہت سے لوگوں کیلئے انکشاف ہو، یعنی خواتین کی علمی کوششوں علمی جدوجہد، علمی ذوق وشوق اور شغف کی کامیابی کی ایک ایسی روشن مثال ہے جس سے آدمی پر ایک تحیر قائم ہو جاتا ہے، آپ سے پوچھوں کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانہ اور اس پورے علمی ذخیرہ میں جو رسول اللہ ﷺ کے صدقہ میں اس امت کو عطا ہوا ہے اس کی بنیاد "عَلَّمَ بِالْقَلَمْ" کی وحی سے پڑی ہے اس کے قلم کی حرکت سے جو دنیا میں بے نظیر کتب خانہ تیار ہوا، اس میں کتاب اللہ کے بعد کس کا درجہ

ہے تو صحیح جواب ہو گا کہ صحیح بخاری کا درجہ ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری ہمارے ہندوستان میں ہر مدرسہ کے لئے معیار فضیلت ہے، اس کو علماء نے اصح کتاب بعد کتاب اللہ کہا ہے، اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے۔

من كان يهون شانه فهومبتد ع متبع غير سبيل المؤمنين جو انسان دونوں کتابوں کی تحقیر کرے اور دونوں کے ساتھ خفاف کا معاملہ کرے، ان کے لئے تنقیص کا کوئی لفظ استعمال کرے یا اس کی اہمیت گھٹائے وہ مبتدع اور غیر سبیل المؤمنین ہے اور اس نے مؤمنین کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

فن حدیث میں عورتوں کا درجہ

آج ہمارے مدارس میں بخاری شریف پڑھائی جاتی ہے اور پڑھائی جائے گی، آپ کے علم میں ہے کہ وہ بخاری شریف کس کی روایت سے ہے وہ کریمہ کی روایت ہے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور شیخ حسین بن محسن انصاری نے بھوپال میں جو درس دیا اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ جو بخاری شریف پڑھاتے رہے وہ کریمہ کی روایت ہے، ایسی مثال کوئی امت پیش کر سکتی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جیسے امام بخاریؒ کے تلامذہ کی کوشش کو بار آور کیا اور

آج دنیا میں ان کا نام باقی ہے ویسے ہی ان کی تلمیذات کی کوششوں کو کچھ زیادہ ہی بار آور کیا اور یہ چیز ہمارے اسلامی معاشرہ میں آخر تک باقی رہی۔

بھوپال سومناتھ یا سلطنت مومنات

کسی نے حضرت لطف اللہؒ پر الزام لگایا کہ آپ بھوپال کو سومناتھ کہتے ہیں، آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا ہوں میں سلطنت مؤمنات کہتا ہوں۔ اس سلطنت مومنات میں جس کے تحت سلطنت پر نواب سکندر جہاں بیگم اور نواب شاہ جہاں بیگم جیسی فاضلہ رونق افروز ہوئیں، ایک زمانہ میں وہاں کے مفتی اعظم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب تھے (جو مولانا عبدالحئ بڑھانوی حضرت سید احمد شہید کے پہلے خلیفہ اعظم کے صاحبزادہ تھے) مولانا مفتی عبدالقیوم صاحبؒ کا حال بھوپال کے لوگوں نے بیان کیا اور میرے استاذ مولانا حیدر حسن خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا اور اس میں کوئی فیصلہ نہیں کرپاتے اور اس فکر میں پڑ جاتے کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے تو کہتے ابھی آتا ہوں اور گھر میں جاکر اپنی اہلیہ سے جو حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں، پوچھتے کیا، آپ نے اپنے والد صاحب سے کوئی روایت سنی ہے یا اس مسئلہ میں آپ کے علم میں کوئی بات ہے، اور آکر فیصلہ کرتے اور بعض اوقات تو بلا تکلف کہہ دیتے ہیں ذرا بیوی صاحبہ سے پوچھ آؤں کوئی مثال ہے اس کی دنیا میں؟ آج مغرب کے کتنے بڑے دعوے ہیں اور ان کی کیا حقیقت ہے؟

فن ادب میں عورتوں کا درجہ

آپ ادب کے میدان کو لیجئے، ہمارے یہاں ادبیات تک کا حال یہ ہے کہ ولادہ بنت المستکفی جو اسپین کے امراء میں ایک کی صاحبزادی تھیں، ان کا نام اب تک روشن ہے، ان کا ادبی و شعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا کہ بڑے بڑے ادباء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے کہاں تک مثالیں دی جائیں، تاریخ کا تو میں طالب علم ہوں۔ میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ میں تو قرآن مجید کے اس اعجاز کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں، اور بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے، لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

جہاد میں عورتوں کی خدمات

عورتوں کی شجاعت اور ہمت کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں، آپ سب نے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام سنا ہوگا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام جو صحابی جلیل ہیں اور عشرہ مبشرہ میں ہیں ان دس خوش قسمت افراد میں ہیں جن کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی، ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بڑے عالم، بڑے فقیہ اور بڑے بہادر تھے، انہوں نے عبدالملک بن مروان کا مقابلہ کیا، اس کی حکومت نہج نبوت سے ہٹ گئی تھی تو آپ نے کوشش کی کہ اس کو منہاج نبوت پر لے آئیں اور ان کا عبدالملک بن مروان

کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی سے سخت مقابلہ ہوا اور وہ شہید ہوئے، اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی پر لٹکا دیا اور کہا کہ جب تک ان کی ماں سفارش نہیں کریں گی، انہیں نہیں اتاروں گا، عبداللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ ذات النطاقین خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ صدیق کی صاحبزادی ہیں، لوگوں سے یہ منظر دیکھا نہیں جاتا تھا، آنکھوں میں آنسو آجاتے تو کیا معنی، لوگ تڑپ تڑپ کر روتے تھے، مجبور ہو کر ان کی والدہ صاحبہ کے پاس آئے اور کہا، خدا کے لئے ہم پر رحم کھایئے، آپ کی ہمت میں تو کوئی فرق نہیں، کوئی فقرہ تو ایسا کہہ دیجئے، جس سے ہم یہ منظر دیکھنے سے محفوظ ہو جائیں، تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ کی اس شیرنی نے اللہ کی اس بندی نے کیا فقرہ کہا، " أَلَمْ يَأْنِ لِهٰذَا الفَارِسِ أَنْ يَتَرَجَّلَ" کیا اس شہ سوار کے لئے ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ وہ پیدل ہو جائے۔

کن لفظوں میں کہا، اس وقت بھی ان کی فرد سیت، بہادری اور شجاعت کہ کیا ابھی اس شہہ سوار کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ گھوڑے سے اترے، حجاج بھی انتظار میں تھا، اس کو بھی لعنت پڑ رہی تھی اور اس نے اس کو بہانہ بنالیا اور اتارنے کا حکم دیا۔

حضرت خنساءؓ کا صبر و استقامت

آپ نے حضرت خنساءؓ کا نام سنا ہوگا، وہ عربی زبان کی لازوال اور غیر فانی شاعرات میں سے ہیں، ان کے دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا تھا، ان

کے لئے ایسے دلدوز مرثیے کہے کہ ان مرثیوں کی نظیر عربی مراثی ہی میں نہیں بلکہ عالمی مراثی کے ذخیرہ میں ملنا مشکل ہے، میں عربی ادب کا طالب علم ہوں اس کو پڑھا ہے یاد کیا ہے، ان کا یہ واقعہ اسلام سے پہلے کا ہے، حضرت خنساءؓ جب اسلام لے آئیں، تو دیکھئے اسلام نے نفسیات میں کیا انقلاب کر دیا کہ اللہ کی اس بندی نے اپنے بھائیوں پر رونا شعار بنا لیا تھا اور ایسے ایسے مرثیے کہے تھے کہ سننے والا رونے لگتا تھا اور ان کی شاعری اسی پر مرکوز ہو گئی تھی، لیکن بہر حال بھائی اور بیٹے میں فرق ہوتا ہے، بیٹا جگر کا ٹکڑا ہوتا ہے، ہزار بھائی سے محبت، لیکن بیٹا تو جسم کا ایک جزو ہوتا ہے، ایک غزوہ کے موقع پر اپنے بیٹوں کو بلایا اور ایک ایک کو رخصت کیا اور کہا، بیٹا پیٹھ نہ دکھانا، میں نے اسی دن کے لئے تم کو دودھ پلایا تھا، اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں اور جب آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْرَمَنِیْ بِشَهَادَتِهِمْ اے خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے ان کی شہادت سے مجھے سرفراز فرمایا اور اس سے عزت بخشی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کرتا ہے

جس وقت قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی تھی، میرا ذہن ایک دم سے ایک عجیب و غریب نکتہ کی طرف گیا، مجھے ایک سرور کیفیت حاصل ہوئی، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کر رہا ہے، ہم

جیسے ٹوٹی عربی جاننے والے اس کو دو جملوں میں ادا کر سکتے ہیں، کہ مرد اور عورت سب شریک ہیں، اس نے دس صفات کا ذکر کیا ہے، لیکن ہر مرتبہ وہ الگ الگ ضمیر میں لاتا ہے اور ایک ایک صفت کا ذکر کرتا ہے، اللہ کو اپنی بندیوں سے کتنی محبت ہے: اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِیْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِیْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِیْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِیْنَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ (سورۂ احزاب رکوع ۵)

اگر خدا کا معاملہ نہ ہوتا تو میں کہتا کہ اللہ کو بڑا مزا آرہا تھا ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا، کسی باپ سے پوچھئے جسکے چار یا سات بیٹے ہوں، اس کا جی چاہے گا ہر ایک کا نام لے کر وہ بتائے اور ہر بار اس کو لطف آئے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بہت عالی ہے، انسانی خصوصیات اس کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں لیکن اس کو انسانی ادب و انشاء کے لحاظ سے دوسرے طریقہ سے بھی ادا کیا جاسکتا تھا، لیکن ایک ایک کو الگ الگ بیان کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام اور ایمان میں تو مرد اور عورت شریک ہوسکتے ہیں، قانتات یعنی فرمانبرداری میں بھی ممکن ہے، لیکن صادقین اور صادقات میں تو مشکل ہے، اس میں عورتیں جھوٹ بول دیتی ہیں کچھ اپنی کمزوری چھپانے کے لئے اپنے کھانے کی خرابی چھپانے کے لئے، کبھی اپنے

بچہ کی بری عادت پر پردہ ڈالنے کے لئے، کبھی سوجانے کی کمزوری پر اور عورتیں مردوں کی سچائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں، یہ تو مردانہ کام ہے، بہادری کا کام ہے، "وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقَاتِ" یہ تو ٹھیک ہے، لیکن الصابرین والصابرات وہ صبر کہاں کر سکتی ہیں، ہمیشہ یہی دیکھا گیا ہے، سب سے پہلے ان پر صدمہ کا اثر پڑتا ہے، سب سے پہلے ان ہی کی زبان سے فریاد نکلتی ہے بعض وقت ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے بعض وقت تو اولاد کا غم، اللہ محفوظ رکھے، یا عزیزوں کا غم سب سے پہلے عورت پر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی سے واقف تھا، اللہ تعالیٰ دلوں کے چور سے واقف تھا کہ ہم بہنوں سے بدگمانی کریں گے۔"اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرَاتِ" جی نہیں صبر کے میدان میں عورتیں کسی حال میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں " وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ" اب آیا معاملہ مال کا عورتیں مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، حاتم کا نام تو سنا ہوگا۔ لیکن حاتمہ کا نام نہیں سنا ہوگا، اس لئے صدقہ میں عورتیں کیا دیں گی وہ تو جمع کرنے والی ہیں وہ بڑی سگھڑ عورتیں ہیں، بہت کرہست عورت ہے، یعنی بچا بچا کر رکھنے والی، اس پر فرمایا: " وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ" اچھا صاحب روزہ بڑا مشکل معاملہ ہے، "وَالصَّائِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا۔"

اعمال کی یہ طویل فہرست اس لئے بیان کی، تاکہ معلوم ہو کہ

اللہ تبارک و تعالیٰ جس طرح اپنے بندوں پر شفقت کرتا ہے اسی طرح اپنی بندیوں پر شفقت کرتا ہے۔ اس کی صفت ربوبیت اور اس کی صفت رحمت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے عام اور ان پر سایہ فگن ہے۔

عورتیں فضائل انسانی میں مردوں کے پیچھے نہیں

ان آیتوں سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ بی بیباں اور شریف بیٹیاں اور خواتین سمجھیں کہ فضائل انسانی اور مکارم اخلاق اور فضائل اعمال میں وہ مردوں سے پیچھے نہیں ہیں، اور ان کو مردوں کے برابر اجر وانعام ملے گا، الحمد للہ قرآن مجید کے حفظ کا تو رواج بہت رہا ہے، میرے علم میں ایک ایک گھر میں دو دو چار چار بیبیاں حافظ رہی ہیں اور میرے عزیزوں میں والد بھی حافظ اور والدہ بھی حافظہ اور مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میری والدہ بھی حافظہ تھیں، اس کے علاوہ قرآن وحدیث سے بھی واقفیت تھی اور اس زمانہ میں بزرگوں نے یہ نصاب بنایا تھا، اگرچہ وہ اردو میں تھا، مگر بڑا جامع اور نافع تھا، یہ بہشتی زیور جو اردو میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ بہت کم کتابوں کو اتنی مقبولیت ملی، بہشتی زیور خود ایک بڑا اور مکمل کتب خانہ ہے اور ہزاروں اور لاکھوں انسانوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہوگا، اس کے علاوہ طب انسانی کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

میں نے بھی جس زمانہ میں ہوش سنبھالا ایک بہت اچھی رسم تھی اور اگر گھروں میں وہ رائج ہو تو ایک بہت اچھا اضافہ ہوگا، جب کوئی تاثر کا

موقع ہوتا یا جوش کا موقع ہوتا اور مستورات بڑی تعداد میں جمع ہوتیں تو واقدی کی فتوح الشام پڑھی جاتی تھی، فتوح الشام تو عربی میں ہے، ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق صاحب کلامیؔ نے اسکو پچیس ہزار شعروں میں صمصام الاسلام کے نام سے ترجمہ کیا تھا اور وہ نول کشور پریس میں چھپی تھی، کاندھلہ کے خاندان میں بھی اس کا رواج تھا اور صمصام الاسلام پڑھی جاتی تھی، گویا اب وہ شاہنامہ اسلام ہے، اس میں خالص اسلامی جنگیں جہاد فی سبیل اللہ اور جس میں صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ شریک تھیں، اس کو بڑے اثر اور ترنم کے ساتھ اور رجز خوانی اور جوش کے ساتھ میرے گھر کی کوئی عزیزہ، میری خالہ جو حافظ قرآن تھیں یا ہمشیرہ مرحومہ پڑھتی تھیں، تو ایک سماں بندھ جاتا تھا اور لوگ اپنا غم بھول جاتے تھے، ہم بچے تھے، کسی کام یا پیسے لینے اپنی ماں یا ہمشیرہ کے پاس آتے تھے تو دیکھتے تھے کہ وہ رو رہی ہیں، اتنا اثر ہوتا کہ میں بیٹھ جاتا۔

شروع شروع میں کئی شہروں مثلاً دمشق، حلب، حمص اور باب طومہ کے نام اسی کتاب سے سیکھے تھے اور جب حمص میں میرے استقبال میں وہاں کے اخوان المسلمین کے مرکز میں ایک بڑا جلسہ ہوا، تو میں نے ان سے کہا "آپ حضرات کو معلوم ہے، ہم اسلامی جوش کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ ہم اسلامی جوش فتوح الشام سے حاصل کرتے ہیں اور میں نے ذرا تفصیل سے حلب اور حمص کے جلسوں میں سنایا۔ ہمارے یہاں عادت تھی کہ جب

بیبیاں جمع ہوتی تھیں تو جو جنگ کے واقعات آپ کے یہاں پیش آئے ہیں اور لڑائیاں ہوئی ہیں، ان کو عربی سے اردو اشعار میں ہمارے ایک بزرگ نے ترجمہ کیا ہے اس کو سنتی سناتی تھیں اور ہندوستانی مسلمانوں نے خود کو ہندوستان کے قومی دھارے کے حوالہ نہیں کیا ہے اور وہ اپنے اسلامی تشخص کو قائم رکھے ہیں، نبی عربی سے ان کا تعلق برقرار ہے اور میں نے ان کو غیرت دلائی کہ آپ آج عربی قومیت کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں، آپ نے تو ہم کو ہندی قومیت کے فتنہ سے بچایا، اس کے لئے ہم مطعون ہوئے ہیں، اور لوگوں نے کہا۔ رہتے ہیں ہندوستان میں، کھاتے ہیں یہاں اور گاتے ہیں عرب کا۔ ع

میرے آقا بلالو مدینہ مجھے

یہ ہندوستان کے پورے وفادار نہیں ہیں، ہم نے آپ کے خاطر یہ طعنے سنے اور آپ ابو جہل، ابو لہب کی قومیت کی طرف واپس جائیں، عربوں پر ایک عجیب تاثر ہوا اور مجھ سے لوگوں نے اس تاثر کا اظہار بھی کیا۔

یہ ہمارے یہاں ایک رسم تھی اور ہم چاہتے ہیں کہ آج بھی اس کو زندہ کیا جائے اور وہ کتاب اب بازار میں ملتی ہے کہ نہیں صمصام الاسلام کے نسخے اب بھی منگوائے جاسکتے ہیں اور اسی طرح کئی دوسری کتابیں مثلاً مسدس حالی پڑھی جائے، اس سے انشاء اللہ ایک طرف تو ایمانی حرارت پیدا ہوگی اور اسلامی ثقافت میں اضافہ ہوگا۔

۱۹۵۱ء میں شام گئے تھے وہاں سے ایسے مانوس اور واقف تھے گویا میں اس سے پہلے آچکا ہوں باب طومہ میں ہم جانتے تھے فلاں معرکہ پیش آیا اور اس طرح بہت سے ایسے مقامات جن کے نام بعض پڑھے لوگوں نہیں سنے تھے، میں ان سے واقف تھے۔

☆☆☆

ہم زندگی کیسے گزاریں

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو اسلام عطا فرمایا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسلمان پیدا کیا، مسلمان گھروں میں پیدا کیا اور ایمان نصیب فرمایا اور شریف گھرانوں میں ہم نے آنکھیں کھولیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ فضل ہے کہ دین دار گھرانوں میں ہماری پرورش ہوئی اور پھر یہ احسان عظیم فرمایا کہ مردوں سے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی کام شروع کرلیا اور اس کی برکت گھروں تک پہونچی اور اب تو اللہ کے فضل وکرم سے گھروں میں ہماری مائیں اور بہنیں تبلیغی کام کرنے لگی ہیں۔

اس کی برکت سے ہم اچھا برا سمجھنے لگے، حرام حلال، نیک وبد، جائز وناجائز،

اللہ کس چیز سے راضی یاناراض ہوتا ہے، اس کی کچھ سوجھ بوجھ ہونے لگی اور اس کی پوچھ گچھ بھی شروع ہوئی کہ زندگی کی کون سی چیزیں اللہ ورسول ﷺ کو پسند ہیں اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں معاشرت، کیسی ہونی چاہئے گھروں میں رہنا سہنا کیسا ہونا چاہیئے، لباس اور کپڑے کس طرح کے ہونا چاہئیں کہ شریعت کے مطابق ہوں اور کون سے شریعت کے خلاف ہیں، ان باتوں کا اب گھروں میں تذکرہ ہونے لگا ہے۔

مغربی تہذیب کا اصول "کھاؤ پیو مست رہو"

آپ سب اس ملک میں آئی ہیں، یہاں بہت دنوں سے یا سیکڑوں برس سے خدا کا خوف، شرم وحیا، لحاظ اور تہذیب نہیں رہی، یہاں صرف ایک ہی کام رہا کھاؤ پیو اور مست رہو، چنانچہ انگریزوں میں کہاوت ہے "کھاؤ پیو مست رہو، مگن رہو" یہ مگن رہنا ان کے یہاں زندگی کا اصول ہے جس میں آدمی مگن رہے اور مست رہے موت کبھی بھول کر بھی یاد نہ آئے کہ ہم کو مرنا ہے ہم کو خدا کے سامنے جانا ہے، یہاں جو مزے اڑائے ہیں، گلچھرے اڑائے ہیں ان کا جواب دینا ہے یہاں جو موج اڑائی ہے اس کا پائی پائی حساب دینا ہے۔

یہاں زندگی کا اصول یہ ہے کہ آدمی موت کو بھولا رہے، آخرت کو بھولا رہے اللہ اور رسول ﷺ کو چھوڑے رہے اور صرف عمدہ سے عمدہ کھانا اچھی سے اچھی صحت بنانا، جوانی کا مزہ اڑانا اور دولت کے مزے اڑاتا

یادر کھے، یہ یہاں کی زندگی کا اصول بن گیا ہے۔

لیکن خدا کے فضل و کرم سے ہمارا جس مذہب سے تعلق ہے اور جس ملک سے تعلق ہے اور جن لوگوں سے تعلق ہے، ان کی زندگی کا اصول یہ نہیں ہے، ان کو تو یہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا تو کافر کی جنت اور مسلمانوں کا جیل خانہ ہے، جیل خانہ میں آدمی موج نہیں اڑاتا، جیل خانہ میں آدمی آزاد نہیں ہوتا کہ گھومنے پر آیا تو گھومتا چلا گیا، جو دل میں بات آئی، جو من چاہت ہوئی بس وہ کر گزرے، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی پابندی نہیں، جیل خانہ میں گھومنے پھرنے کی جگہ بھی تو نپی تلی۔ کھانے کا حساب بھی نپا تلا، کھانے کو جی کچھ چاہتا ہے مل کچھ رہا ہے پسند کچھ ہے اور کھلایا کچھ جا رہا ہے کبھی پہننے کو جی چاہا، کبھی سیر کا جی چاہا، ہوا خوری کا جی چاہا، مگر یہ تو چہار دیواری، یہ تو جیل کی کوٹھری ہے اور کافر کے لئے کیا ہے؟ بس ایک بہت بڑا پارک، ایک بہت بڑا باغ، ایک بہت بڑا چمن، چاہے لوٹے پوٹے چاہے گھومے چاہے ننگا پھرے چاہے چلائے چیخے چاہے بیل کی طرح چلے، کھائے پیئے کوئی بولنے والا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، تو "دنیا کافر کی جنت اور مومن کا جیل خانہ ہے۔"

دنیا میں اس طرح رہو جیسے کہ تم پردیس میں ہو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرِي سَبِيلٍ۔

(دنیا میں اس طرح رہو جیسا کہ تم پردیس میں ہو، یا کہ راستہ چلتے مسافر)

جو مسافر ہوتا ہے اس کا جی کہیں نہیں لگتا، وہ کسی جگہ اپنا گھر نہیں بناتا، کسی اسٹیشن پر ٹھیر نہیں جاتا، دیکھتا سب کچھ ہے، گزرتا سب جگہ سے ہے۔ لیکن اپنے وطن کو نہیں بھولتا اور نہ اپنی منزل کو بھولتا ہے، کہاں سے چلے تھے اور کہاں جانا ہے اور جہاں جانا ہے وہاں سے کام کر کے فوراً آتا ہے، جیسے چڑیاں دن بھر اڑتی رہتی ہیں، جیسے کبوتر اور مینا ہوں جو دن بھر اڑتی رہتی ہیں اور دن بھر جگہ جگہ سے دانہ چگتی جاتی ہیں، لیکن اپنے آشیانہ اپنے گھونسلہ کو بھولتی نہیں کہ کہیں اور پہونچ جائیں لیکن شام ہوئی کہ سیدھے اپنے گھر واپس آتی ہیں، کسی شاخ پر وہی تنکوں اور پتیوں کا بنا ہوا گھونسلہ، دن بھر چاہے کسی امیر کے محل پر جا کر کسی اونچی سے اونچی کوٹھی پر جا کر اپنا چارہ تلاش کرے، شام ہوئی تو اپنا گھر یاد آیا، بال بچے یاد آئے، اڑ کر وہیں پہنچیں، یہی مؤمن کا حال ہے کہ دنیا میں سارا دن گھومتا پھرتا رہے، کام کاج کرے، دکان پر بیٹھے، دس دس گھنٹے ڈیوٹی دے، لیکن اس کو اصلی بستی نہیں بھولتی، اس کو قبر کا کونا نہیں بھولتا، وہاں سیکڑوں ہزاروں برس سونا ہے، اس کو آخرت نہیں بھولتی بس شام ہوئی، یعنی جیسے ہی دنیا کا کام ختم ہوا، اپنے اصلی وطن کی راہ لی۔

مسلمان کو اپنا اصلی وطن نہیں بھولنا چاہیئے

مسلمان کی زندگی ایسی ہی ہونا چاہیئے، ہمارے لئے ہندوستان، فرانس، جرمنی، اور بڑے سے بڑے ملک امریکہ، کنیڈا سب برابر ہیں، ہم کہیں بھی ہوں اپنا وطن نہیں بھولنا چاہیئے، چاہے وہ محل ہو یا جھونپڑا، لیکن

دل ہمارا خدا کے پاس رہنا چاہئے، ہمارا جسم کہیں بھی ہو، ہم کو اصل جگہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے، جہاں ہم کو مدتوں رہنا ہے، وہ قبر کا کونہ ہے جہاں اندھیرا ہے، قبرستان جو جنگل میں ہے، شہر کی آبادی سے دور، جہاں نہ شہر کے بچوں کی آواز پہنچ سکتی ہے نہ بڑوں کی، وہاں تو آدمی ہے اور اس کا عمل، جو نمازیں ٹوٹی پھوٹی پڑھیں، جو کلمہ پڑھا، درود شریف پڑھا، وہ وہاں کام دے گا، اسی سے وہاں دل لگے گا، وہی وہاں کا تکیہ، وہی وہاں کا بچھونا، وہی وہاں کی روشنی، وہی وہاں کا چراغ، وہاں کی گنجائش اور وسعت، ورنہ وہ کونہ جہاں آدمی کروٹ بھی نہ بدل سکے، وہاں جو کچھ کام آئے گا، وہ نورِ ایمان کام آئے گا، اللہ کا نام کام آئے گا، زندگی میں اللہ کے ساتھ جو تعلق پیدا کیا ہے وہ کام آئے گا نماز میں اگر یہاں دل لگا ہے تو وہاں بھی دل خوش ہوگا، اگر کلمہ نماز اور ایمان کی باتوں میں دل نہیں لگا ہے اور طبیعت ہمیشہ اچاٹ رہی اور وہی کپڑوں میں زیور میں، کھانے پینے میں، کوٹھی میں، موٹر میں اگر دل پھنسا رہا تو وہاں وحشت ہوگی، وہاں ان میں سے کوئی چیز موجود نہ ہوگی، یہ چیزیں تو کیا ہوں گی، باپ بھی مدد کرنے کے لئے، ماں بھی دلاسہ دینے کے لئے، بیٹی بھی خدمت کرنے کے لئے، بیٹے بھی سلوک کرنے کے لئے وہاں موجود نہ ہوں گے، وہاں نہ ماں کی شفقت ہوگی اور نہ باپ کی مہربانی اور نہ اولاد کی سعادت مندی ہوگی اور نہ بیٹوں کی خدمت، وہاں وہی ایک نام اللہ کا، اللہ کا نام کام آئے گا، اور ایمان کا نور کام آئے گا، نماز روزہ کا نور کام آئے گا،

قرآن کی روشنی کام آئے گی، اور جو اللہ کا ذکر کیا بس وہی کام آئے گا۔

حدیث میں ہے کہ "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔" وہاں جو کام آنے والی چیزیں ہیں وہ خود کچھ نہیں یہیں کے اچھے عمل باغ بن جائیں گے، ان ہی اچھے اعمال سے جنت کی ہوائیں آئیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ قبر کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ وہاں ان کو پہلے سے جنت کی ہواؤں کے جھونکے آنے لگتے ہیں خوشبوئیں آنے لگتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہمارا ٹھکانا ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانا اس کو دکھایا جائے گا کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے یا جنت، اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اگر کسی کے اچھے عمل ہیں، ایمان سلامت لے کر گیا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے نَمْ کنو مة العروس "سورہ جیسے دلہن سوتی ہے،"

قبر کی فکر ہی اصل فکر ہے

اس گھر کی فکر کرنا چاہئے اور جو چیزیں وہاں کام آنے والی ہیں، ان کی فکر کرنا چاہئے، یہاں کے سامان کا حال یہ ہے کہ بچپن کا سامان جوانی میں کام نہیں آتا جوانی کا سامان بڑھاپے میں کام نہیں آتا، بچپن میں جو کپڑے تھے جوانی میں پہنے نہیں جاتے اور جوانی میں جو کپڑے ہیں وہ بڑھاپے میں پہننا مناسب نہیں، یہ تو جوانی کے شوق تھے بڑھاپے کا کپڑا اور ہوتا ہے اور اب تو دو مہینے پہلے کے کپڑے اس زمانہ میں کام نہیں آتے، یہاں یورپ

پر ایسی مصیبت آئی ہے اور اس کی بدولت ساری دنیا پر، یہاں مہینے دو مہینے میں فیشن بدلتے ہیں، پہلے فیشن کے مطابق جو کپڑے بنالئے، اب جب فیشن بدل گیا تو بالکل پرانے اور دقیانوسی معلوم ہونے لگتے ہیں اور ان کو پہن کر شادیوں میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، ایسی بے مروّت، آنکھ چرانے والی اور منھ موڑنے والی اور جلدی سے جلدی بدل جانے والی تہذیب اس پر اگر دل لگائے تو اس سے زیادہ بے عقل کون ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

حضرت ابراہیمؑ نے جب ستارہ دیکھا تو کہا کہ یہ تو بڑا چمکدار ہے کچھ عجب نہیں کہ دنیا کا پیدا کرنے والا ہو، اب جو ستارہ غروب ہوا، اور ڈوب گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کچھ نہیں، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، پھر چاند دیکھا تو کہا سبحان اللہ، چاند کا کیا کہنا، کیسی روشنی ساری دنیا روشن، ساری دنیا میں چاندنی پھیلی ہوئی ہے، انہوں نے کہا، شاید یہی خالق ہو، پھر غروب ہوا تو کہنے لگے، یہ بھی کچھ نہیں، اس کا بھی کچھ زور نہیں، اس کا بھی بھروسہ نہیں، پھر جب سورج نکلا اور انہوں نے اس کی چمک دیکھی اور دن ہوا تو کہنے لگے، واہ واہ، اس سے بڑھ کر تو کوئی روشن نہیں، ستارہ بھی اس کے سامنے ماند اور چاند بھی اس کے سامنے شرمندہ، بس یہ سورج ہی سورج ہے، پھر جب سورج بھی ڈوبنے لگا، تو کہنے لگے، " لَآ أُحِبُّ الآفِلِينَ " میں ایسے منہ چھپانے والوں اور ایسے بے مروّتوں اور ایسے آنکھ بند کرنے والوں سے اپنا

دل نہیں لگا سکتا، جس کے ساتھ دل لگائے، وہ حیّ قیوم، وہ ہمیشہ رہنے والی ذات ہو، ہمیشہ ساتھ دینے والی ذات ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق یاد رکھنا چاہئے

حضرت ابراہیمؑ نے جو ہمارے آپ کے مورث اور پیغمبر ہیں، اور سب سے آخر میں آنے والے پیغمبر کے دادا بھی ہیں، انہوں نے یہ سبق دیا کہ جو بے مروّت ہو، جو آنکھیں پھیرنے والا ہو، اس سے دل نہیں لگنا چاہیئے، جوانی بھی ایسی ہی دولت ہے، اور طاقت، زندگی یہ سب منہ چھپانے والی، ساتھ چھوڑ دینے والے، بچھڑ جانے والے، اور بے وفا، اور بے مروّت طوطا چشم، ان سے دل لگائے تو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں، اگر کسی نے یہ سمجھا کہ جوانی میں جوانی کے کام کرنا چاہیئے اور کچھ لحاظ نہ کرنا چاہیئے، تو جب بڑھاپا آئے گا اور یہ رنگ روپ یہ شکل و صورت باقی نہیں رہے گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ ہم نے اس بے وفا جوانی کی وجہ سے اس رحمان و رحیم خدا کی نافرمانی کی، خدا کی رحمت کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی، وہ ہمیشہ کام آتی ہے، وہ اندھیرے میں، اجالے میں، امیری میں غریبی میں جوانی و بڑھاپے میں، وطن و پردیس میں ہر جگہ اور ہمیشہ ساتھ دینے والی ہے "اللّٰہُ مَعَکُمْ" اللہ تمہارے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم تین ہوتے ہو تو، چوتھا خدا ہوتا ہے، چار ہوتے ہو تو پانچواں خدا ہوتا ہے، تھوڑے ہوتے ہو یا بہت ہوتے ہو، بازار میں ہوتے ہو یا گھر میں ہوتے ہو ہم ساتھ ہوتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر ایک کو دیکھنے والا ہے ہر ایک کی مدد کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' جب میرے بندے میرے متعلق پوچھتے ہیں کہ خدا کہاں ہے تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں، وہ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے، تو ایسے خدا، ایسے مالک مہربان، ایسے شفیق ورحیم، ایسے کریم، ایسے ناصر و معین، ایسے مدد کرنے والے، ایسے رحم کھانے والے، ایسے سہارا دینے والے خدا کا ساتھ دیا جائے، یا بے وفا جوانی کا، بے وفا حسن وجمال کا، یا بے وفا ساتھیوں اور بے وفا رفیقوں کا، یا باتیں بنانے والی سہیلیوں اور بہنوں کا، یا ایسے فیشن کا جو صبح ہے تو شام اس کا ٹھکانہ نہیں، شام ہے تو صبح اس کا ٹھکانا نہیں، اس کا ساتھ دے کر اللہ کی نافرمانی کرے، اس سے بڑھ کر کون سی حماقت اور بے عقلی ہو سکتی ہے، اس خدا کا کیوں ساتھ نہ دیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، یہاں بھی کام آئے گا اور قبر میں بھی، اسی کی ہی دست گیری کام آئے گی اور حشر میں وہی ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ اس خدا سے تعلق پیدا کرنا چاہئے اس سے انس پیدا کرنا چاہئے، اس سے ایسی جان پہچان پیدا کر لینی چاہئے، اس پر ایسا بھروسہ ہونا چاہیئے، ایسا اس کے ساتھ تعلق ہونا چاہئے کہ آدمی کو ہر وقت ایک ڈھارس رہے، ہر وقت حوصلہ رہے کہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہماری دولت کو کوئی اگر لے لے تو ہمارا ایمان تو کسی نے نہیں لیا۔ اگر ہماری جوانی ختم ہو گئی تو ایمان تو ختم نہیں ہوا، خدا کا ساتھ تو

نہیں چھوٹا، اگر دولت نے منہ چھپالیا اور بے وفائی کی اگر شوہر نے بھی بے وفائی کی تو کوئی رنج نہیں، ہمارا خدا تو ہمارے ساتھ ہے، اگر خدا ہمارے ساتھ ہے تو سب کچھ ہمارے ساتھ ہے۔

جس نے بادشاہ کو لیا اس کو سب ملا

ایک قصہ ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت موج میں آکر رعیت سے کہا کہ آج جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا، وہ چیز اس کی ہو جائے گی بس کیا پوچھنا، بن آئی لوگوں کی، وہاں جو امراء وزراء، غلام باندیاں اور خواص موجود تھے، جس کو جو چیز پسند آئی، اس نے اس پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے بادشاہ کے تاج پر ہاتھ رکھا، کسی نے تخت پر ہاتھ رکھا، کسی نے فانوس پر، غرض کہ جو جس پر ہاتھ رکھتا گیا، وہ چیز اس کی ہوتی گئی، ایک غلام کھڑا ہوا تھا، اس نے کچھ نہ کہا، بت بنا کھڑا رہا، بادشاہ کی نظر جب اس پر پڑی تو اس نے کہا، کیا تم کو یقین نہیں آیا، دیکھتے نہیں کہ جس نے جس چیز پر ہاتھ رکھ دیا وہ اس کا مالک ہو گیا، اس نے جواب دیا کیا واقعی ہی ایسی بات ہے، بادشاہ نے کہا کہ اللہ کے بندے کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے، کیا قسم کھانے تحریر لکھنے کی ضرورت ہے، اس نے کہا کہ یہ تو ہیں بے وقوف، مجھے اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے، کسی نے تاج لیا، کسی نے تخت، کسی نے موتی لیا تو ہیرا نہیں ملا، کسی نے ہیرا لیا تو موتی نہیں ملا، کسی نے گھوڑا لیا تو پالکی سے محروم رہا، پالکی لے لی تو گھوڑا نہیں آیا، یہ کہہ کر اس نے بادشاہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں نے تو اس کو لیا جس نے بادشاہ کو لیا،

اس کو تخت بھی ملا، تاج بھی، گھوڑا بھی ملا، طاؤس بھی، گھر بھی ملا گھر کا سامان بھی، اس کو عزت بھی ملی اور طاقت بھی۔

یہی ہماری مثال ہونا چاہئے، آج ایسے افراد ہر جانب ملیں گے جو فیشن پر جان دینے والے، کپڑوں، موٹروں کے شوقین، جوانی اور دولت پر فدا ہونے والے ہوں گے، لیکن مسلمان عورتوں کو تو صرف اللہ کا طالب ہونا چاہئے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ اللہ کی نظر عنایت اس کی طرف ہو جائے پھر سب کچھ اس کا ہے۔

بی بی مرغی پال لو

خاندان مجددی کے ایک بزرگ شاہ محمد یعقوبؒ صاحب مجددی کہانیوں اور قصوں میں بڑی اونچی اونچی باتیں سمجھایا کرتے تھے، انہوں نے ایک قصہ سنایا

"بھوپال میں بیگمات کا دور تھا، ایک بیگم بہت پریشان تھیں، ایک پیر صاحب کے پاس آئیں، کہنے لگیں، پیر صاحبؒ میں بہت پریشان ہوں، میرے شوہر مجھے پوچھتے نہیں، پہلے تو بہت خیال کرتے تھے، لیکن اب ان کا دل مجھ سے بھر گیا ہے، مجھے سخت تکلیف ہے، اولاد بھی میرا خیال نہیں کرتی، شوہر کی نگاہ کیا پھری، ساری دنیا کی نگاہیں پھر گئیں، سرکار میرے لئے دعا کریں، انہوں نے پوری رام کہانی سنی اور کہنے لگے، بی بی مرغی پال لو، اب وہ بڑی پریشان، کہ پیر صاحب کو کیا ہو گیا، کل تک تو خوب سنتے تھے اب اونچا سننے لگے زرا زور سے پکار کر کہا حضرت صاحب میرے لئے دعا کیجئے

میں بہت پریشان ہوں پیر صاحب نے آہستہ سے کہا بی بی میں کہہ رہا ہوں مرغی پال لو اب وہ پریشان کہ آج پیر صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ میں تو ان سے دعا کے لئے کہتی ہوں اور پیر صاحب مرغی پالنے کو کہتے ہیں پھر عرض کیا کہ حضرت میں سمجھی نہیں، آپ ذرا اچھی طرح سمجھادیں، تو پیر صاحب نے فرمایا بی بی صاحبہ ایک قصہ ہے، قصہ سے بات خوب سمجھ میں آجائے گی، دو گھر قریب قریب تھے ایک امیر گھر تھا کھاتا پیتا اور ایک ذرا غریب گھر تھا، بیچ میں ایک دیوار تھی، اس دیوار میں ایک کھڑکی تھی، تو جب اس غریب گھر میں کوئی مہمان آتا تو غریب گھر والی پڑوس کے گھر منھ ڈال کر کہتی کہ مہمان ناوقت آگئے ہیں، کچھ انتظام ممکن نہیں ہے، ایک انڈا دیدو تو کام چل جائے، ایک بار ہوا، دوبار ہوا، اور جب بار بار یہ واقعہ پیش آیا تو جل کر کہنے لگی کہ بی بی ہمسائی ایک مرغی پال لو، قصہ ختم ہو جائے فرصت ہو جائے گی، تو بیگم صاحبہ میں تم سے وہی کہتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرلو اللہ سے دعا کرنا، مانگنا سیکھ لو، سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

سب کاموں کی کنجی اللہ سے تعلق

وہی میں آپ سب سے کہتا ہوں، اللہ کو یاد کرنا، اللہ سے مانگنا، اللہ کو راضی رکھنا سیکھ لیجئے، سب کام بن جائیں گے، دنیا کی جتنی چیزیں ہیں، سب بے وفا، بے مروت، طوطا چشم ہیں، جوانی ہے صحت خراب، قصہ ختم، صحت ٹھیک تو کاروبار فیل تو سب بے کار، اگر خدا کو محبوب رکھے تو جوانی بھی

ہے صحت بھی ہے اور سب کچھ ہے۔

ساری مشکلوں، مصیبتوں کا علاج ایک اللہ کا تعلق پیدا کرنا ہے، وہی سب کچھ کرتا ہے، اللہ کی نیک بندیوں کے حالات پڑھو کہ انھوں نے کسی چیز میں دل نہیں لگایا، نہ جوانی میں نہ صحت میں نہ طاقت اور حسن وجمال میں انھوں نے صرف اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا، اللہ کا نام لینا، راتوں کو اٹھنا، توبہ استغفار کرنا، درود شریف پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا، اسلامی عقائد پر بچوں کی پرورش کرنا، توحید کے بیج ان کے دل میں بونا، گناہ کی نفرت پیدا کرنا، اللہ کا نام سکھانا، اسلامی آداب واخلاق کی تعلیم دینا، یہ ان کے مشغلے رہے، نتیجہ یہ کہ گھر کا ماحول اسلامی، دل خوش، اللہ راضی تو سب راضی، اگر اللہ ناراض تو سب ناراض۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے فرماتا ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى (سورہ احزاب رکوع ۴)

(اور جاہلیت قدیم کے مطابق اپنے کو دکھاتی مت پھرو)

تمہارا دل گھروں میں لگنا چاہئے، سنیما گھروں میں نہیں، محفلوں اور بازاروں میں نہیں، تمہاری جگہ، تمہاری سلطنت تمہارا گھر ہے، غریب ہو یا امیر باہر نکلو گی تو تم وہ نہ رہو گی جو گھر میں ہو، گھر میں تمہارا حکم چلے گا، اولاد تمہاری خدمت کرے گی، گھر سکون واطمینان کی جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی بیویوں کے لئے جو پسند کیا وہی

تم کو اپنے لئے پسند کرنا چاہئے، وہی ہمارے لئے نمونہ ہے، اسلام سے پہلے کا زمانہ جو جاہلیت کا زمانہ تھا اس کی طرح بناؤ سنگار نہ کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، نماز کے لئے جگہ مقرر کرو، جگہ پاک و صاف ہو کہ وہاں تسبیح پڑھ سکو، دینی کتابوں کا مطالعہ کر سکو، اپنے بچوں کو دین کی باتیں سکھا سکو، جو وقت بچے اس میں شوہر کی خدمت کرو۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ مولانا یوسفؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہم کی ماؤں کے قصے پڑھیئے، وہ کیسی عابدہ، زاہدہ تھیں، ان کی راتیں کیسے گزرتی تھیں، دن کیسے گزرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے فرزند عطا فرمائے، جن کے نور سے سارا عالم منور ہے۔

اب جو اولاد ماں کی گود میں پلتی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ کیسی ہوں گی، جیسی گود ویسی اولاد، جب وہ زبان سے اللہ کا نام نہ لیں گی، تلاوت نہ کریں گی، تو کیا اثر ہوگا۔

☆☆☆

اسلام میں خواتین کا مقام اور ان کی خدمات

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے مدرسہ ام المؤمنین عائشہ للبنات رائے بریلی کا افتتاح فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

حمد وثنا کے بعد!

مجھے کچھ ہی دن پہلے معلوم ہوا کہ یہاں ہمارے شہر رائے بریلی میں عزیز نوجوانوں نے بچیوں کے لئے ایک مدرسہ کا خاکہ بنایا ہے، یہ بات میرے سامنے آئی، اور پھر ذہن سے نکل گئی کیوں کہ میں اپنے کاموں میں کچھ ایسا مشغول رہتا ہوں کہ مجھے شہر کے حالات کا بہت کم علم ہوتا ہے، چونکہ یہ میرے شہر کا معاملہ ہے اور ان لوگوں سے جنھوں نے یہ قدم اٹھایا ہے وہ میرے جانے بوجھے ہی نہیں بلکہ خاص تعلق ہے، رائے بریلی کے ایک شہری کی حیثیت سے بلکہ دین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اس کے قیام کی خوشی میں میرا دوہرا حصہ ہے۔

یہ بہت مبارک اقدام ہے جیسا کہ میرے عزیز مولوی محمد رابع نے ابھی کہا کہ یہ فال نیک ہے، کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مرتبہ بہت اونچا ہے علم دین میں بڑے بڑے اور چوٹی کے صحابہ کرام ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ان کا تفقہ بہت بڑھا ہوا تھا، وہ ان فقہائے امت میں تھیں جو دین کے مسائل کی تہہ سے واقف تھے اور شریعت کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے واقفیت رکھتے تھے۔

ہمارے استاد علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب "سیرت عائشہ" اگر آپ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دین اور علم دین میں کتنا بڑا مرتبہ ہے۔ (اس لئے اس بابرکت نام سے مدرسہ کا قیام) ایک فال نیک ہے اور اس نام کی برکت سے ان شاء اللہ یہ مدرسہ ضرور ترقی کرے گا اور پھولے پھلے گا۔

دینی معاملات میں عورتیں برابر کی شریک

آپ کو معلوم ہے کہ دین اور دین کے احکام اور مسائل میں عورتین محروم نہیں رکھی گئی ہیں اور نہ انھیں نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ وہ اس میں پوری طرح شریک ہیں۔ سورہ توبہ اور سورہ احزاب جس نے پڑھی ہے اس کو معلوم ہے کہ اور خاص طور پر سورہ احزاب میں عورتوں کا صیغہ مردوں کے صیغہ کے ساتھ بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کا حصہ برابر ہے۔

اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرٰتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ۔

بے شک ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں اور خشوع والے مرد اور خشوع والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

دیگر مذاہب عورتوں کے مخالف

دنیا میں بہت سے مذاہب ایسے ہیں جن میں بعض کام مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ عورتوں کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ عورتیں ان کو ہاتھ تک نہیں لگا سکتیں بلکہ ان کی پرچھائیاں پڑجانا بھی اس کام کو برباد کردیتا ہے۔

دنیا کا ایک بہت بڑا مذہب عیسائیت ہے، عیسائیت باوجود اس کے کہ وہ یوروپ میں پھلی پھولی، لیکن اس میں عورتوں کو بہت سی چیزوں سے محروم رکھا گیا ہے۔

قرون وسطی میں ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ جس میں یہ قانون تھا کہ عورت کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ بہت سی عبادتیں اور فرائض ایسے تھے کہ جو ان کے لئے ناجائز تھے، اور اس دور میں راہب اور مذہبی لوگ عورتوں سے دور بھاگتے تھے۔ حتی کہ ان کے سائے سے بچتے تھے کہ کہیں ان کا سایہ نہ پڑ جائے۔

مسلمان عورتوں کی خدمات

یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں میں عورتوں کا ذکر الگ الگ کیا ہے اور تمام مرتبوں میں عورتوں کو مردوں ہی کی طرح شریک کیا ہے تاکہ کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ اس کام میں مردوں کا حصہ ہے اور عورتیں اس سے محروم ہیں اسی لئے قرآن مجید نے واضح کر دیا اور عورتوں کی پوری ہمت افزائی کی کہ وہ ہر فضیلت کے حصول میں مردوں کے برابر اور شریک ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی ایسی عورتیں گذری ہیں کہ بڑے بڑے صاحب مرتبہ مرد، ان کی خدمت اس طرح حاضر ہوتے تھے کہ غلام اور شاگرد اس کی مثال حضرت رابعہ بصریہؒ کی شخصیت ہے جن کے نام پر آج تک مسلمان بچیوں کے نام رکھے جاتے ہیں، یہ اپنے وقت کی اولیاء اللہ میں سے تھیں اسی طرح ہر زمانہ میں ایسی عورتیں گذری ہیں جو صرف عبادات میں ہی نہیں بلکہ علم میں بھی بہت بڑھی ہوئی تھیں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب بھوپال کے بڑے قاضی تھے ان کا یہ حال تھا کہ جب کوئی پیچیدہ مسئلہ ان کے سامنے آجاتا تھا تو اکثر یہ ہوتا کہ وہ گھر میں چلے جاتے اور پھر واپس آکر فیصلہ دیتے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ قاضی صاحب شاید کتابیں دیکھنے جاتے ہیں لیکن پوچھنے پر فرمایا کہ میں بیوی صاحبہ سے پوچھنے جاتا ہوں، ان کی اہلیہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کی صاحبزادی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی نواسی تھیں اور بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف عبادات میں عورتوں کا حصہ رکھا ہے بلکہ علوم دین کی وجہ سے جو مقبولیت ہوئی ہے اس میں بھی ان کو پیچھے نہیں کیا اور یہ بات کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آپ ہر زمانہ میں ایسی بیویوں اور ایسی خواتین کے نام دیکھیں گے جن کا اکرام اس دور کے بڑے بڑے لوگ کرتے رہے ہیں۔ اور ان کی مجالس میں حاضری دیتے رہے ہیں آپ نے بخاری شریف کا نام سنا ہوگا اس کے متعلق بڑے بڑے علماء کا یہ فیصلہ ہے اصح کتاب بعد کتاب اللہ (اللہ کی کتاب کے بعد سب سے صحیح کتاب) کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ ہمارا ہندوستان جس کو یہ فخر ہے کہ کئی سو برس سے علم حدیث کا مرکز رہا ہے اور الحمد للہ اب بھی ہے اس کے ہر بڑے مدرسہ میں بخاری شریف کا درس ہوتا ہے۔ چاہے دارالعلوم دیوبند ہو یا مدرسہ مظاہر علوم یا دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ کیا آپ کو علم ہے کہ ہم تک

بخاری شریف کس ذریعہ سے پہونچی (اگر نہ معلوم ہو تو جان لیجئے) کہ ہم تک بخاری شریف حضرت کریمہ کے ذریعہ سے پہونچی ہے، حضرت کریمہ ایک محدثہ گذری ہیں جن سے کئی آدمیوں نے حدیث سنی ہے، اور ہندوستان میں جو صحیح بخاری پڑھائی جاتی ہے وہ حضرت کریمہ ہی کی روایت سے ہے اور اس سے بڑھ کر کیا بات ہوسکتی ہے کہ سب سے اونچی کتاب جو سب سے آخر میں پڑھائی جاتی ہے اور اس کا پڑھانا کمال کی بات سمجھی جاتی ہے وہ ایک خاتون حضرت کریمہ کی روایت اور ذریعہ سے ہندوستان اور دوسرے متعدد ملکوں میں پہونچی۔

مسلم خواتین کی ثابت قدمی

صحابہ کرام جنھوں نے ساری دنیا میں اسلام پھیلایا یہ صحرا کے رہنے والے تھے اور ان کے یہاں نہ کوئی تمدن تھا نہ کوئی ترقی تھی اور نہ کوئی سلطنت عرصہ سے قائم ہوئی تھی، نہ وہاں بڑے مدرسے اور کالج تھے، یہ اونٹوں کے چرانے والے، جنگل کے رہنے والے، اونٹ کا گوشت کھانے اور دودھ پینے والے جن کی دنیا بالکل محدود تھی یہ صحرا رقبہ میں تو بڑا وسیع تھا لیکن دنیا سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا اس کے باوجود جب ان کا سامنا رومی اور ایرانی تہذیب سے ہوا جو اس وقت کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیبیں تھیں لیکن اس کے باوجود ان کی آنکھیں چکا چوند نہیں ہوئیں، اور ان تہذیبوں کے اثرات ان کے گھروں میں نہیں داخل ہو پائے، اور وہ ان

تہذیبوں کے اثرات سے محفوظ رہے۔ لیکن ہمارا حال کیا ہے جب ہندوستان میں مغربی تہذیب کا دور آیا تو ہماری آنکھیں چکا چوند ہوگئیں اور مغربی تہذیب کے اثرات ہمارے گھروں میں داخل ہوگئے اور اس کے برے اثرات سے بہت سی غلط چیزیں ہمارے یہاں آگئیں، پھر جب لڑکیوں نے انگریزی اسکولوں میں پڑھنا شروع کردیا تو فیشن بھی گھروں میں آگیا انگریزوں اور ان کی خدابیزار تہذیب کی نقالی بھی آگئی۔

آخر کیا وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے گھر محفوظ رہے، اور ہمارے گھر غیروں کی تہذیب کا شکار ہوگئے، وہ محفوظ و مامون رہے، اور ہم شکار ہوگئے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ، اس دور کی خواتین رومی و ایرانی تہذیب سے متأثر نہیں ہوئیں، صحابیات، تابعیات، اور اس زمانہ کی مسلم خواتین اس طرح اپنی اسلامی دینی تہذیب پر مضبوطی سے قائم رہیں کہ اگر نوجوانوں کے ذریعہ کوئی غلط چیز آتی تو اس کو آنے نہ دیتیں اور اس کے سامنے آہنی دیوار بن جاتیں، اور اس طرح ان کا معاشرہ اور ان کا سماج جو اسلامی سماج تھا، وہ بالکل پاک و صاف رہا، اور خالص رہا اس میں رومی اور ایرانی اثرات نظر نہیں آئے، یہ مسلم خواتین کی ایمانی مضبوطی اور اسلامی خدمت کی ایک عظیم الشان مثال ہے۔

یہ بہترین نمونہ اس وقت تک سامنے نہیں آسکتا جب تک ہماری

بچیوں کی صحیح اسلامی تعلیم نہ ہو، جس کے نتیجہ میں اسلام پر ان کو پورا فخر نہ ہو، یعنی صرف ایمان واعتقاد ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ان کو اپنی اسلامی تہذیب اور اپنے اسلامی معاشرہ پر فخر ہونا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو کچھ پسند فرمایا ہے اس کو دل و جان سے نہ صرف پسند کریں بلکہ اس کو ہر چیز پر ترجیح دیں، اور اسے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم سمجھیں اور اس کی حفاظت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہ کریں۔

جب تک خواتین صحابیاتؓ کا نمونہ نہیں بنیں گی، تب تک ہم اپنے معاشرہ، اپنے سماج اور اپنی سوسائٹی کو باہر کے مضر اثرات سے نہیں بچا سکتے، اس لئے بہت ضروری ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کا اچھا انتظام ہو، جگہ جگہ ایسے چھوٹے مکاتب اور مدارس قائم کئے جائیں جہاں چھوٹی بچیاں دینی تعلیم حاصل کریں، وہاں دینی فضا ہو اور اسلامی شعائر اور آداب ان کو سکھائے جائیں، بولنا، اٹھنا، بیٹھنا، حیا اور شرم اور سلیقہ ان کو سکھایا جائے اور وہ اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت اور اسلامی تہذیب سے آراستہ ہو کر اسلام کی خدمت کرنے والی بنیں۔

☆☆☆

عورتوں کا اسلام میں مرتبہ

اور ان کی دینی ذمہ داری

مولانا مدظلہ العالی نے یہ تقریر مدرسہ خدیجۃ الکبریٰؓ میں
خواتین کے ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی۔

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (سورہ نحل۔۹۷)

حضرات! قاری صاحب نے جو آیت تلاوت کی ہے وہ ذہن کو بہت متوجہ کرنے والی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے عملِ صالح کے تذکرہ میں مرد اور عورت کا الگ الگ تذکرہ کرتے ہوئے توجہ دلائی ہے۔ اس طرح عورت کو بھی اسی توجہ کا مستحق دکھایا ہے جس طرح مرد کو، اور عمل صالح کا فائدہ بتایا ہے وہ بہت عظیم ہے، عمل صالح کا فائدہ یوں تو سب کو معلوم ہے اور

اس کا ذکر بھی سب کرتے ہیں لیکن اس آیت میں جو فائدہ بتایا گیا ہے وہ اپنی خاص نوعیت واہمیت رکھتا ہے جو بہت اہم ہے لیکن اس کی طرف اس آیت کے پڑھنے والوں کا ذہن عموماً کم گیا ہے گذشتہ زمانہ سے لیکر اِس وقت کتنے حفاظ گزرے ہیں اور کتنے حافظوں کو قرآن یاد ہے اور عالموں نے اس کی تفسیر بیان کی ہے لیکن بہت کم اس پر غور کرنے کی نوبت آئی کہ اس میں کتنی بڑی بشارت سنائی گئی ہے وہ یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بھی نیک کام کرے گا "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا" مرد ہو یا عورت (من ذکر او انثیٰ فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً) ہم اس کی ضرور اچھی زندگی گزروائیں گے۔

یہ سب ساری دوڑ دھوپ دنیا میں جو ہو رہی ہے، امریکا سے لے کر انڈونیشیا تک اور ہماری اسلامی دنیا میں مراکش سے لے کر شمالی افریقہ پھر یمن، اور ملیشیا تک سب کا حاصل یہ ہے کہ اچھی زندگی کیسے حاصل ہو، اس کے لیے کیا کوشش کی جائے، اور اس کے کیا اسباب اور کیا ذرائع ہیں اور کس طرح دولت حاصل کی جائے، آپ دیکھیں گے کہ پرائمری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک یونیورسٹیوں کے خاص مضمون کی بڑی بڑی جو یونیورسٹیاں، جامعات اور بڑی اکیڈمیاں ہیں جو غور و فکر کرنے کے لیے ہی بنائی اور قائم کی گئی ہیں اور بڑے بڑے مصنفین ہیں ان سب کا جو مشترک موضوع ہے وہ یہ کہ ایسی زندگی کیسے حاصل ہو۔ یہاں تک کہ سیاست اور

انتخابات اور جمہوریت اور صحافت، یہ ساری چیزیں بھی اس کی معاون ہیں کم سے کم یہ کہ وہ اس کا اعلان کرتی ہیں کہ ہم اس کا راستہ دکھائیں گے، رہنمائی کریں گے۔

اچھی زندگی کی ضمانت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بہت بڑی بشارت سنائی ہے۔

"من عمل صالحاً" جو اچھے کام کریگا اور اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، کام اللہ کی منشاء کے مطابق ہوں، اس کے رسول ﷺ کی منشاء اور فرمان کے مطابق ہوں اور دینی احکام کے مطابق ہوں، پھر آخری آسمانی صحیفہ قرآن مجید کے مطابق ہوں، تو ہم اس کی اچھی زندگی گزروائیں گے، اس میں دنیا کی زندگی بھی آجاتی ہے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں صرف آخرت ہی کی بشارت دی گئی ہے، "حَیٰوۃً طَیِّبَۃً" جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کہ یہاں نکرہ کا لفظ ہے، "الحَیٰوۃَ الطَّیِّبَۃَ" بھی نہیں کہا گیا ہے، "فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً" ہم ہر طرح کی اچھی زندگی اس کی گزروائیں گے، یہ ساری کوشش اس بات کی ہو رہی ہے یہ دوڑ دھوپ، یہ محنتیں اور یہ راتوں کا جاگنا اور یہ کتابوں پر محنت کرنا، پرائمری سے لے کر یونیورسٹیوں تک پڑھنا پڑھانا اور پھر اس کے بعد ڈگریاں حاصل کرنا کوئی انجینئرنگ کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کوئی ادب لٹریچر کا راستہ اختیار کرتا ہے، سب کا مشترک مقصد اور ہدف و نشانہ یہ ہے

کہ اچھی زندگی حاصل ہو۔

آدمی یہی چاہتا ہے بڑی تنخواہ ہو، رہنے کے لئے اچھی بڑی کوٹھی اور سواری کے لئے اعلیٰ درجہ کی موٹر اور ہوائی جہازوں پر سفر کرنا اور پھر اس کے بعد سیاست میں آئے تو وزیر اعظم بن جانا اور پارلیمنٹ کا ممبر بن جانا سب اس لئے کیا جاتا ہے کہ ہم آرام اور سکھ کی زندگی گزار سکیں، اس کو سکھ کہتے ہیں یہ ایک عام لفظ ہے اور بہت وسیع کہ ہم سکھی ہوں دکھی نہ ہوں، ہم سکھ کی زندگی گزار سکیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ضمانت لے لی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ نیک عمل کرے، ہمارے احکام کے مطابق اگر عمل ہوگا۔ "فَلَنُحْيِيَنَّهٗ" لام کے ساتھ کہا، جب کہنا ہوتا ہے عربی میں ایسا ضرور ہوگا ایسا ضرور کریں گے تو اس کو لَنَفْعَلَنَّ، لَنَذْهَبَنَّ کے وزن پر استعمال کیا جاتا ہے۔

اب اچھی زندگی کسی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اچھی تنخواہ ہو، حالانکہ اچھی تنخواہ میں اچھی زندگی گزارنا ہرگز یقینی نہیں، لاکھوں مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ اچھی بڑی تنخواہ ہے، لیکن زندگی اچھی نہیں، یا صحت خراب ہے، یا آپس میں نااتفاقی ہے، یا اطمینان قلبی نہیں ہے، کوئی ڈر لگا ہوا ہے یا کوئی خطرہ ہے، یا کوئی مرض ہو گیا ہے، کوئی عارضہ ہو گیا ہے، کچھ غم ہو گیا ہے، وہم ہونے لگا ہے یا طبیعت میں خرابی آگئی ہے کہ بڑی تنخواہ، کوٹھی، شاندار موٹر سب ہے، اولاد ہے، لیکن مزہ نہیں آرہا ہے زندگی میں۔

نعمت جس کو زندگی کی نعمت کہتے ہیں وہ حاصل نہیں ہو رہی ہے تو یہ بات سوچنے کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ہمارے احکام پر عمل کرے گا ہماری شریعت پر عمل کرے گا، ہمارے رسول ﷺ کے فرمانوں پر عمل کرے گا، نہ وہ یہ دیکھے گا کہ رسموں میں کیا ہوتا ہے نہ یہ دیکھے گا کہ کون سی چیز بڑے فخر کی سمجھی جاتی ہے، کس بات پر تعریفیں ہوتی ہیں، کس بات میں عزت ملتی ہے، کس بات میں دولت ملتی ہے، کوئی اس کا خیال نہ کرے، صرف یہ کہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، شادی بیاہ کس طرح ہونا چاہئے، بچوں کی پرورش کیسے کرنی چاہیے، گھر میں کس طرح زندگی رائج کرنی چاہئے، نمازوں کی پابندی ہو، پردہ ہو، حیاو شرم ہو، ایک دوسرے کا احترام ہو، غرور نہ ہو، تعلی نہ ہو، سراف و فضول خرچی نہ ہو، ناجائز رسمیں نہ ہوں اور یہ کہ دوسروں کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرنا بالکل آسان سمجھا جائے یہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ باتیں نہ ہوں گی تو ہم ضرور اس کی اچھی زندگی گزروائیں گے، یعنی دنیا میں بھی اور اس کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں ہیں، اگر آپ حدیث پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ جن گھروں میں اور جن خاندانوں میں شریعت کی پابندی کی گئی احکام خدا اور احکام رسول ﷺ پر عمل کیا گیا اور اسلامی زندگی کا جو نمونہ اور سانچہ ہے اسلامی زندگی کا جو ماڈل ہے وہ اختیار کیا گیا، رسموں کو نہیں دیکھا گیا، رواج کو نہیں

دیکھا گیا بلکہ یہ دیکھا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے؟ جن لوگوں، خاندانوں، برادریوں، اور جن ملکوں، اور جن معاشروں نے اور سماج سوسائٹی نے اس پر عمل کیا اس کو اللہ نے دنیا میں جنت کی زندگی کا مزہ چکھادیا۔ اس میں شبہ نہیں ہم مبالغہ سے نہیں کہہ رہے ہیں، دنیا ہی میں ان کو جنت کی زندگی کا مزہ آگیا کہ بس معلوم ہوتا تھا کہ ہم جنت میں ہیں، محبت کا دور دورہ ہے، ایک دوسرے کا حق ادا کیا جاتا ہے، یہاں کسی کا حق مارا نہیں جاتا، کسی کو حقارت وذلت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا، کوئی فضول بات نہیں کی جاتی، کوئی ناجائز آمدنی باہر سے نہیں آتی، بس اللہ پر توکل اور اللہ کا نام لینا، پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، حلال روزی کھانا، حرام کا پیسہ کیا، حرام کی پائی بھی گھر میں نہ آنے دینا، جن گھروں میں اس کی پابندی کی گئی ان کے گھر جنت کا نقشہ ہیں، ان کے گھروں پر بادشاہوں کے محلات اور شاہوں کی کوٹھیاں قربان، ان کے سامنے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی جیل خانہ ہے، دیکھنے میں باہر سے کتنی شاندار کوٹھی ہے، بڑی بڑی دیواریں ہیں، یہ سب ہے لیکن اندر جہنم کی زندگی ہے، بیوی اور شوہر میں محبت نہیں ہیں ہے، ماں بیٹے میں محبت نہیں ہے، نہ ماں میں وہ شفقت ہے، نہ بیٹے میں وہ احترام ہے، نہ کسی کمزور پر ترس آتا ہے، نہ کسی غریب کی مدد کی جاتی ہے اور سوائے کھانے پینے اور سوائے فخر وغرور کے، دکھاوے کے کوئی اور یہاں کام ہی نہیں ہے۔

تو بھائیو اور بہنو! آپ اس کا خیال رکھیں اور یہ اللہ نے موقع دیا ہے کہ مرد عورت دونوں کوشش کر کے اور شریعت کے مطابق زندگی گزار کر اور اللہ کی فرمانبرداری کر کے اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت پر چل کر وہ بڑی سے بڑی ترقیاں حاصل کر سکتے ہیں اور ترقیاں بھی کیسی، روحانی ترقی، یہ ہم خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم کتابیں لکھنے والے آدمی ہیں ہم جو کچھ لکھتے ہیں اس پر بحث ہوتی ہے اس کو پکڑا جاتا ہے، اس پر سوال کیا جاتا ہے کہ یہ کیسے لکھ دیا، اس لئے ہم ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔

علمی دنیا میں عورتوں کی خدمات

ہم آپ کو خدا کی قسم کھا کر بتاتے ہیں کہ دین کے احکام پر عمل کرنے سے اور دین کا ضروری علم حاصل کرنے سے اسی پر عمل کرنے سے مستورات نے اسلامی تاریخ میں اسلامی دنیا میں وہ وہ ترقیاں حاصل کی ہیں، اور روحانیت کے اس درجہ تک پہنچی ہیں جس درجہ تک اس زمانہ میں ہزاروں لاکھوں مرد نہیں پہنچ پائے، آج ہم آپ سے پوچھتے ہیں کیا رابعہ بصریہؒ کا نام آپ نے نہیں سنا کہ رابعہ بصریہؒ کون تھیں، ان کا نام آج لکھنؤ میں اس محلہ میں لیا جا رہا ہے کہ ان کے زمانہ کے لاکھوں نہیں ہزاروں آدمی بھی ان کے درجے کو نہیں پہنچے ہوں گے اور اس کے علاوہ تاریخ پڑھیں اور خود مستورات کی اور مسلمان فاضلات کی اور مسلمان ادیبات کی تاریخیں الگ الگ لکھی گئی ہیں، تو آپ کو معلوم ہو گا کہ علمی حیثیت سے بھی ہماری

بہنیں پرانے زمانہ میں ایسے درجہ تک پہنچی ہیں کہ تاریخ میں نام آئے ہیں کہ بڑے بڑے اس زمانے کے علامہ ان سے رجوع کرتے تھے۔

اندلس، بغداد اور قاہرہ میں اور حرمین شریفین میں ایسی عورتیں تھیں کہ ان سے لوگ مسئلے پوچھنے جاتے تھے اور عربی لغت کی تحقیق کرنے جاتے تھے، ان سے علمی استفادہ کے لئے جاتے تھے ان کے نام تاریخ کے اندر موجود ہیں ان کے شاگردوں کے نام موجود ہیں، کتنے بڑے بڑے شاگرد ہوئے، تو یہ دولت، علم کی دولت مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں، مرد و عورت دونوں کے لئے ہے۔

قرآن کریم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے ذکر کا اہتمام

یہ صرف کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ مرد و عورت سب کے سب درجے حاصل کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب ایسے مراتب کا ذکر کرتا ہے، تو مردوں کے لئے الگ اور عورتوں کے لئے الگ ذکر کرتا ہے: ''إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ'' اور ہر لفظ کے ساتھ ایک مرد کے لئے صیغہ ہے، ایک عورت کے لئے، کوئی پوچھے کہ بھئی اتنا کہہ دیا ہوتا کہ '' وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ '' نہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ عبادت کی یہ قسم صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورت اس میں کوئی درجہ نہیں حاصل کرسکتی۔ روزہ رکھنے میں ان کا ذکر ہے، عبادت کرنے میں ان کا ذکر ہے، اور اللہ کی یاد

کرنے میں ان کا ذکر ہے " وَالذّٰاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَّالذّٰاكِرَاتِ " اللہ کا ذکر کرنے میں الذاکرین مذکر کا صیغہ بھی استعمال کیا گیا ہے اور مؤنث کا بھی، اس لئے کہ دوسرے مذاہب کی تاریخ ان کی کتابیں بتاتی ہیں کہ وہاں بہت سے کمالات اور بہت سی صفات صرف مردوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں اور یہ بات دماغ میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک بالکل بدیہی بات سمجھی جاتی تھی کہ یہ صرف مردوں کا کام ہے عورت اس میں ہاتھ نہ لگائے، وہ ترقی نہیں کر سکتی ہے، اس کو اس سے کوئی بڑا امتیاز نہیں حاصل ہو سکتا ہے لیکن قرآن میں ایک ایک عبادت کے ساتھ عبادت کی ایک ایک قسم کے ساتھ مردوں کے لئے الگ لفظ اور الگ صیغہ ہے اور عورتوں کے لئے الگ صیغہ ہے۔

عورتوں کے نام سے مستقل ایک سورت

اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید کی بڑی سورتوں میں سے ایک سورۃ کا نام ہی عورتوں کے نام پر رکھا گیا ہے "سورۃ النساء" کیا ہندو مذہب کا کوئی جاننے والا بتائے گا کہ اس کے مذہب میں اس کی کسی مقدس کتاب میں عورت کے نام سے کوئی لیکھ یا اور اس کے عنوان سے ذکر ہو، لیکن قرآن مجید میں جہاں دیگر ناموں سے سورتیں ہیں وہیں ایک سورۃ النساء بھی ہے اور پہلے دن سے اس وقت تک اس کا یہ نام چلا آرہا ہے اور عورتوں کے لئے دین میں، ترقی اور علم دین حاصل کرنے اور اس

میں امتیاز پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے اور اللہ کا مقبول بندہ اور بندی بننے اور اس کے یہاں اونچا مقام حاصل کرنے کی پوری پوری صلاحیت اور پورے امکانات پہلی صدی سے لیکر اس وقت تک موجود ہیں اور آج بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں عورتوں کی دینی خدمات

اور آپ حضرات ہندوستان ہی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں کتنی بیویوں نے قرآن مجید کی تعلیم اور دینیات کی ترویج اور بدعات کی تردید اور سنتوں کی اشاعت کا کام کیا ہے، ایک شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان دیکھ لیجئے کہ وہاں ایسی بیبیاں گزری ہیں کہ دہلی میں اور بعض مرتبہ دہلی کے باہر بھی ان کا فیض پہنچا اور کم سے کم یہ کیا بات تھی کہ ان کی آغوشِ تربیت میں ان کی گود میں شاہ عبد القادرؒ پیدا ہوئے، شاہ رفیع الدینؒ پیدا ہوئے، شاہ عبد العزیزؒ پیدا ہوئے اور پھر ہمارے یہاں اودھ میں دیکھئے یہاں کیسی کیسی بیبیاں پیدا ہوئیں، میں ایک چھوٹی سے مثال دیتا ہوں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلی میں پیدا ہوئے، وہاں کے خاندان ہی میں نہیں بلکہ ان کا فیض سارے ہندوستان میں پہنچا، ان کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمی مسلمان ہوئے اور بیس لاکھ کے قریب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی، ان کے حالات میں لکھا ہوا ہے دیکھنے اور سننے میں تو بہت معمولی بات معلوم ہوگی لیکن دیکھئے کس درجہ کی کتنی اونچی بات ہے کہ ایک

مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کی والدہ صاحبہ نماز پڑھ رہی تھیں اور انکی دائی بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک دم سے کوئی آدمی گھر میں آیا اس آدمی نے کہا کہ دو فرقوں میں فساد ہو گیا اور لڑائی ہو رہی ہے اور آپ کو جہاد کے لئے دعوت دی، آپ تیار ہو گئے دائی نے کہا نہیں نہیں، یہ نہیں جاسکتے، عمر بھی اس وقت شاید ۱۲ / ۱۴ برس کی رہی ہوگی وہ خوب سمجھتی اور جانتی تھیں کہ وہاں جاکر شہادت کی خبر آسکتی ہے، ہم یہیں بیٹھے ہیں کہ معلوم ہوگا کہ شہید ہو گئے یا زخمی ہو کر واپس لائے جاسکتے ہیں، تو دائی نے روک دیا اور جب والدہ صاحبہ نے سلام پھیرا، حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے کہا کہ بی بی تم نے کیوں روکا، تم نے اس سعادت سے کیوں محروم رکھا، ہمارے بیٹے کو جانے دینا چاہئے تھا یہ جہاد کا معاملہ تھا، اب آپ بتایئے کہ کس درجہ کا یقین و ایمان ہوگا اس خاتون کے اندر اور وہ علم دین سے کتنی واقف ہوں گی اور پھر کتنا ان کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ ہوگا کہ اپنے بیٹے کو اس خطرہ میں ڈالنے کے لئے اور دائی جس کا ایک عارضی خادمانہ رشتہ ہوتا ہے وہ روکے، مگر دودھ پلانے والی اور اس کو وجود میں لانے والی شفیق ماں یہ کہے کہ نہیں ان کو جانا چاہئے تھا، ایسی سیکڑوں ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گی یہ سب کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔ آپ کو بہت سے علماء اور دین کے داعی اور خدمت کرنے والے ملیں گے کہ ان سے اگر آپ پوچھیں کہ آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی، آپ اس درجہ تک کیسے پہنچے، آپ کی یہ سیرت کیسے بنی تو ان میں سے

اکثر یہ کہیں گے کہ ہماری ماں نے ایسی اچھی تربیت کی تھی اور امید ہے کہ اس مجمع میں بھی ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے جو اپنی ماں کے ممنون احسان ہوں گے، اور ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ہمیں ہماری ماں نے جھوٹ بولنے سے روکا، ہماری ماں نے ہم کو حق تلف کرنے سے، کسی پر زیادتی کرنے سے، کسی پر ہاتھ بڑھانے سے روکا، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے ہم نے اپنی والدہ صاحبہ کو تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، معلوم ہوا کہ نماز تہجد نہیں چھوٹتی ہے اور ہم فخریہ نہیں کہتے لیکن عرض کرتے ہیں کہ ہمارے بچپن میں تکیہ کلاں میں ہمارے چھوٹے سے خاندان میں چار گھر رہے ہوں گے، یہ سوال کیا گیا کہ عورتیں باجماعت تراویح پڑھ سکتی ہیں؟ تو علماء فرنگی محل نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر عورت امام ہو اور عورتیں ہی اس کی مقتدی ہوں تو جماعت میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ اور ہماری خالہ زاد بہن اور ہماری پھوپھی یہ سب قرآن مجید پڑھتی تھیں اور تراویح میں ایک قرآن مجید ہمارے گھر میں ختم ہو جاتا۔ اس کے علاوہ عورتوں میں مصنفات گزری ہیں اور ایسی بڑی بڑی بعض مصنفات ہیں کہ ان کی کتابیں علمی کتب خانوں کی زینت ہیں اور بعض تو اس میں مردوں سے بھی بازی لے گئی ہیں۔

مسلمان بن کر رہنے کی آدھی ذمہ داری عورتوں پر ہے

ہم صاف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس ملک میں مسلمان بن کر رہنا

قرآن شریف پڑھنے کے قابل ہونا اردو کتابوں سے فائدہ اٹھانا اسلامی شعائر واحکام سے واقف ہونا، اسلامی تہذیب اختیار کرنا اور اس پر قائم رہنا اور توحید کے عقیدہ پر مضبوطی سے جمنا، اس میں آدمی سے زیادہ ذمہ داری ہماری بیبیوں اور عورتوں پر ہے۔ یہ بات گھر گھر پہنچانے کی کوشش کرنا ہے کہ ہمارے بچے قرآن مجید پڑھنے کے قابل بن جائیں، قرآن مجید تو عربی میں لکھا ہے اسے پڑھ سکیں اور اردو پڑھ سکیں، دینیات کی کتابوں سے فائدہ اٹھائیں اور شرک و توحید کا فرق سمجھیں، سنت و بدعت کا فرق سمجھیں اور گناہوں کو سمجھیں کہ کون سی چیزیں گناہ ہیں۔

ہماری پڑھی لکھی بہنوں کی ذمہ داری

اگر اس میں ہماری خواتین اور ہمارے گھر کی پڑھی لکھی دیندار بیبیوں نے توجہ نہ کی اور دلچسپی نہ لی تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ اس ملک میں مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہوگا بلکہ یہ ملک اسپین بن جائے گا، اور آج بتاتا ہوں کہ یہ نقشہ اور منصوبہ تیار ہے کہ اس ملک کو اسپین بنادیا جائے، اور اسپین کیا ہے بہت سی بڑی بڑی بیبیاں نہیں جانتی ہوں گی کہ اسپین یورپ کا ایک ایسا ٹکڑا تھا کہ جو خالصۃً مسلمان ملک ہوگیا تھا، وہاں بڑی اسلامی شان و شوکت کی سلطنتیں قائم ہوئیں اور وہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے، شیخ اکبر کہ جن کا نام ہر شخص کی زبان پر ہے یہ وہیں کے رہنے والے تھے، مالکی مذہب کا ایک مسئلہ

ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مدینہ میں ایسا ہوا کرتا تھا تو اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ان کا عمل حجت اور دلیل ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے ایک زمانہ ایسا تھا کہ مالکیوں میں ایک یہ اصول بھی تھا کہ اہل قرطبہ کا عمل حجت ہے، اہل قرطبہ ایسا کرتے ہیں، اس کی اہمیت ایسی ہے کہ قرطبہ کے متعلق یہ کہہ دینا کافی تھا کہ وہاں ایسا ہوتا ہے اس اسپین کو جہاں اولیاء اللہ پیدا ہوئے، چوٹی کے علماء، حدیث کی اہم کتاب موطا امام مالک کے شارحین پیدا ہوئے اور بڑے بڑے مجاہدین پیدا ہوئے اور وہاں جامع اشبیلیہ اور جامع غرناطہ کیسی کیسی مسجدیں تھیں جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مسلم سے غیر مسلم ملک بنا دیا۔ اس ملک کو وہاں کے غیر مسلم باشندوں نے منصوبہ بنا کر اور اس میں کچھ ہمارے مسلمانوں کی بھی کوتاہی تھی کہ انہوں نے ان کو مانوس نہیں کیا تھا اس طرح اندلس سے غیر مسلموں نے اسلام کو خارج کر دیا، جو بچے کھچے مسلمان تھے وہ غرناطہ سے مراکش پہنچ گئے اور آج پورا اسپین خالی ہے نہ کہیں سے اذان کی آواز آتی ہے اور نہ کہیں کوئی مدرسہ ہے۔

ہماری مستورات توجہ دیں

مسلمان آیندہ مسلمان نسل کو مسلمان رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہمارے گھر کی مستورات، بیگمات، ہماری مائیں اور بہنیں اس کا ارادہ نہ کر لیں اور یہ طے نہ کر لیں کہ ہم اپنے اپنے بچوں کو دین سے واقف

کرائیں گے، پرائمری اسکول میں جانا ضروری ہے جائیں لیکن ہم مغرب بعد انتظام کریں گے یا صبح جانے سے پہلے کوئی انتظام کریں گے ان کو اردو پڑھائیں گے، ان کو اردو لکھنے کی مشق کرائیں گے، ان کو کلمہ اور سورتیں یاد کرائیں گے کہ وہ نماز میں پڑھ سکیں؟ اگر اس کی طرف ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو یہ ملک خطرہ میں ہے، اصل بات جو کہنے کی ہے اور اسے امانت کے طور پر چھوڑ کر جاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کی خود فکر کیجئے، اپنے ہی گھروں کے نہیں بلکہ اپنے محلے اور بہنوں، سہیلیوں اور رشتہ دار بیویوں کو بھی توجہ دلایئے کہ دیکھو بی، دیکھو بہن، اپنے بچے کو جہاں چاہو بھیجو لیکن اس کو اللہ کا نام سکھادو، کہ اللہ ایک ہے، وحدہ لاشریک ہے، اور اللہ کے پیغمبر حضور ﷺ آخری پیغمبر تھے، ورنہ آج سرکاری اسکولوں میں تو ایسی ترکیبیں کی جاتی ہیں، لوگوں نے بتایا کہ کہا جاتا ہے اگر تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے یا کوئی کام ہو یا تکلیف ہو تو راستہ میں جو مندر آئے اس سے گزرتے ہوئے اس سے مانگ لینا اور یہاں تک سازشیں ہوتی ہیں کہ کوئی چیز چھپادی جاتی ہے، ایک طالب علم نے ایک طالب علم کی کتاب یا کاپی چھپادی جب اس نے پوچھا کہ میری کاپی کہاں ہے اس نے کہا رام کا نام لو، تو مل جائے گی۔ اس نے جو رام کا نام لیا تو اس نے چپکے سے نکال کر سامنے کردی اس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ڈال دیا کہ رام کا نام لینے سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے، کھوئی ہوئی چیز مل جاتی ہے، یہ بڑی گہری بات اور بڑی وسیع

سازش چل رہی ہے۔

ہندوستان کے اندر جو اولیاء اللہ کی سرزمین ہے، یہ مجاہدین کی سرزمین ہے مجددین کی سرزمین ہے، جہاں پر مجدد الف ثانی" پیدا ہوئے، خواجہ معین الدین چشتی" آئے، شاہ ولی اللہ دہلوی جیسا امام وقت پیدا ہوا اور یہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور کیسے کیسے عالم، کیسے کیسے فاضل پیدا ہوئے، اس ملک کے بارے میں یہ نقشہ بنایا جارہا ہے، نقشہ بنا ہوا موجود ہے کہ یہاں نام کا تھوڑا مسلمان رہ جائے، باقی کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے، آئندہ نسل جو ہو، اس کو بالکل اسلام سے ناواقف کر دیا جائے، چاہے منکر اسلام نہ ہو لیکن اسلام سے اس کو ناواقف کر دیا جائے بس یہ پیغام لے کر جائیے کہ اپنے گھروں میں پہلے اور پھر محلے میں جانا ہو تو وہاں کہیں، تقریب ہو تو وہاں جا کر کہئے، وہاں بھی توجہ دلائیے کہ اپنے بچوں کو مسلمان بنائیے، ان کے عقیدہ کی فکر کیجئے، ان کو دوزخ کی آگ میں جلنے سے بچائیے۔

بہنو! سن لو!

بہنو! بیویو! سن لو! اپنے بچوں کو مسلمان بناؤ، مسلمان رکھو، اور اردو لکھنا پڑھنا سکھاؤ، قرآن مجید پڑھنے کے قابل بناؤ، توحید، ان کے دل میں بٹھاؤ، شرک و بدعت سے، بت پرستی سے، ان سب چیزوں سے روکو، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے اگر یہ کام ہو گیا تو اس میں بہت کچھ ضمانت ہے، اسلام کے بقاء کی اور تحفظ کی، ورنہ محض خارجی اور تنظیمی کوششیں اور محض اخبارات و رسائل اور محض کانفرنسیں یہ مفید تو ہوں گی، لیکن کافی نہیں ہیں۔

ابتدائی نقوش

ماہرین تعلیم وتربیت اور علمائے نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑ جاتے ہیں وہ کبھی نہیں مٹتے اور خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن در حقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں اور وقت پر ابھرتے ہیں۔

اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماں اور بچہ کی تربیت کرنے والوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے سے اچھے نقش بنا سکتے ہیں اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم وتربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

مجھے اس مختصر مضمون میں ان چند ابتدائی نقوش کا ذکر کرنا ہے جو بچپن کی سادہ لوح پر نقش ہوئے اور جن کا فیض میری زندگی میں برابر

شامل رہا۔

ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ میری والدہ نے بچپن سے اس بات کا بڑا خیال اور نگرانی رکھی کہ میں کسی پر ظلم نہ کرنے پاؤں اور کسی کا دل نہ دکھاؤں، بچہ کے پاس طاقت ہی کیا ہوتی ہے، جو کسی پر ظلم کرے، پھر بھی سب جانتے ہیں کہ بچہ اپنے محدود دائرے اور ماحول میں اپنی کمزوری اور بے بسی کے باوجود بہت کچھ ظلم کر لیتا ہے، بچہ کے اندر بھی ایک خودی اور انانیت ہوتی ہے، یہ بچہ کی شخصیت کا اظہار ہے اور زندگی اور ذہانت کی علامت، وہ اس انانیت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اپنے ہمجولیوں پر زیادتی کرتا ہے، نوکروں پر ظلم کرتا ہے، کسی کی توہین کرتا ہے، کسی کا مذاق اڑاتا ہے۔

والدہ صاحبہ نے اس کا بڑا اہتمام کیا کہ میں اگر کسی پر ظلم کروں یا دل دکھاؤں تو اس سے معافی مانگوں، اگر گھر میں کھانا پکانے والی کے لڑکے کو مارتا یا کسی کی توہین کرتا، یا کسی کو ذلیل سمجھ کر کوئی سلوک کرتا تو وہ مجھے سزا بھی دیتیں اور مجھے اس سے معافی مانگنے پر مجبور بھی کرتیں۔ اکثر یہ سزا صرف معافی مانگنے کی ہی صورت میں ہوتی، بچہ کی "انانیت" پر بڑی ضرب ہے اور اس کے لئے بڑی گوشمالی، مجھے یاد نہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا گذرا ہو کہ والدہ کے علم میں میری کوئی زیادتی آئی ہو یا توہین یا دل دکھانے کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو اور انہوں نے مجھے یہ سزا نہ دی ہو اور مجھے "فریق ثانی" کو

راضی کرنے اور معاف کرانے پر اصرار نہ کیا ہو۔

اس تربیت کا یہ نتیجہ ہے کہ ہزار کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود اب بھی "دل آزاری" اور توہین و تحقیر کو گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں اور حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور اگر کبھی نادانستہ یا بلاارادہ ایسا قصور ہو جاتا ہے، تو جلد سے جلد اس کی تلافی کی کوشش کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں۔

دوسری چیز جو مجھے خاص طور پر یاد آتی ہے وہ یہ کہ وہ مجھے اپنے خاندان کے بعض بزرگوں اور جلیل القدر ہستیوں کے نام اور کام سے واقف کراتی رہتی تھیں، ان کے نام بڑی عظمت سے لیتیں، اور ان کے حالات سناتیں، یہ شخصیتیں عموماً ہمارے خاندان کی وہ دینی شخصیتیں ہوتیں، جن کو دنیاوی جاہ و جلال اور کوئی خاص دولت و ثروت حاصل نہ تھی، مگر علمی اور دینی حیثیت سے ان کا کام اور نام بہت روشن تھا، وہ اس پر زور دیتیں کہ عزت اور باقی رہنے والی دولت یہی دین و علم کی دولت ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا دماغ اس وقت سے علم دین کی عظمت سے متاثر ہے اور وہ اتنی جلدی دنیاوی جاہ و جلال اور مال و منال کا اثر قبول نہیں کرتا، جتنا اس زمانہ میں ہونا قدرتی بات ہے، میرے دل پر ابھی تک بزرگوں کے نام نقش ہیں اور ان کی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے، جن کا والدہ صاحبہ کثرت سے نام لیتی تھیں، بعد میں، میں نے ان کے حالات پڑھ کر والدہ کی باتوں کی تصدیق کی

اور ان میں بعض کے حالات لکھے بھی، مگر ان کی بڑائی کا نقش اسی زمانہ کا ہے اور ابھی تک کوئی اس نقش کو مٹا نہیں سکا۔

والدہ صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے دعاء و مناجات کا وہ ذوق عطا فرمایا تھا، جو اس زمانہ کے خاص بزرگوں میں ہی دیکھنے میں آیا ہے، وہ اپنی اولاد کو بھی دعا کی تعلیم دیتیں اور دعا کا شوق دلاتیں، چنانچہ ہم بھائی بہنوں کو انھوں نے بعض مختصر دعائیں یاد کرا رکھی تھیں، ان میں سے ایک دعا ابھی تک یاد ہے جو اس زمانہ میں وردِ زبان تھی، یاد آتا ہے کہ عرصہ تک اپنے مضامین کے اوپر بھی اسی کو لکھتے تھے، وہ دعا یہ ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ اَفْضَلَ مَا تُؤْتِیْ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ"

(اے اللہ، اپنے نیک بندوں کو جو افضل سے افضل چیز تو عطا فرماتا ہے وہ مجھے عطا فرما)

یہ ہیں چند ابتدائی نقوش جو حافظہ پر زور ڈالے بغیر ابھر آئے ہیں، سمجھتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان سے بہت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

تربیتی خطوط

میرے لکھنؤ کے قیام اور میری ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں والدہ صاحبہ نے جو مجھے طویل اور مفصل خط لکھے ہیں اور جن کا منتخب ذخیرہ میرے پاس بحمد اللہ محفوظ ہے، وہ ان کے دلی جذبات کا آئینہ بلکہ ان کے کمالات اور خداداد صفات کا مرقع ہے جو ان کی زندگی کا اصل جوہر تھا۔ ان خطوط کو ان کی تربیتی افادیت کے پیش نظر شائع کیا جا رہا ہے۔

عزیزی علی سلمہ، دعا۔

تمہارا اب تک کوئی خط نہیں آیا، روز انتظار کرتی ہوں، مجبوراً آکر خود لکھتی ہوں جلد اپنی خیریت کی اطلاع دو۔

عبد العلی[1] کے آنے سے اطمینان ضرور ہوا، مگر تمہارے خط سے تو اور تسکین ہوتی، عبد العلی سے میں نے تمہاری دوبارہ طبیعت خراب ہونے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ "علی کو اپنی صحت کا بالکل خیال نہیں، جو

[1] ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبد العلی" سابق ناظم ندوۃ العلماء، برادر اکبر مصنف۔ ۱۲

وقت تفریح کا ہے وہ پڑھنے میں گزارتے ہیں" میں نے کہا تم روکتے نہیں۔ کہا بہت کہہ چکے اور کہتے رہتے ہیں، مگر وہ خیال نہیں کرتے، اس سے سخت تشویش ہوئی، اول تو تمہاری بے خیالی اور نا تجربہ کاری اور پھر بے موقع محنت، جس سے اندیشہ ہو۔

علی، مجھے امید تھی کہ تم انگریزی کی طرف مائل نہ ہو گے، مگر خلاف امید تم کہنے میں آگئے اور اتنی محنت گوارہ کرلی، خیر، بہتر جو کچھ تم نے کیا، یہ بھی اس کی حکمت سے ہے بشرطیکہ استخارہ کرلیا ہو۔

مجھے تو انگریزی سے بالکل انسیت نہیں، بلکہ نفرت ہے، مگر تمہاری خوشی منظور ہے، علی، دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے، اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو انگریزی والوں سے کیا امید، بجز عبدالعلی اور طلحہ [۱] کے تیسری مثال نہ پاؤ گے، علی اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبے حاصل کر رہے ہیں کہ کوئی ڈپٹی ہوئے کوئی جج، کم از کم وکیل اور بیرسٹر ہونا تو ضروری ہے، مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی والوں کو جاہل اور اس کے علم کو بالکل بیکار سمجھتی ہوں، خاص کر اس وقت میں معلوم نہیں کیا ہو اور کس علم کی ضرورت ہو، اس وقت البتہ ضرورت تھی۔

اس مرتبہ کو تو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے، یہ عام ہے، کون ایسا ہے

[۱] مولانا سید طلحہ حسنی ایم۔اے راقم السطور کے پھوپھا اور عربی زبان وادب کے زبردست عالم تھے

جو محروم ہے، وہ چیز حاصل کرنا چاہیے جو اس وقت گراں ہے اور کوئی حاصل نہیں کر سکتا، جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سننے کو کان مشتاق ہیں، آرزو میں دل مٹ رہا ہے، مگر وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں۔

افسوس ہم ایسے وقت میں ہوئے، علی تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان سبھوں پر نظر کرو جنھوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گذار دی۔ ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ ولی اللہ صاحب شاہ عبد العزیز صاحب، شاہ عبد القادر صاحب، مولوی ابراہیم صاحب [۱] اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد صاحب [۲] اور مولوی محمد امین صاحب مرحوم [۳] جن کی زندگی اور موت قابل رشک ہوئی، کس شان و شوکت کے ساتھ دنیا برتی اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی۔

[۱] اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم آروی، مشہور اہلحدیث عالم ہیں، جو ہمارے نانا شاہ ضیاء النبی صاحبؒ کے مرید اور بڑے ربانی، حقانی عالم تھے، ان کا وعظ بڑا موثر اور رقت آمیز تھا، ان کے ایک وعظ سے ہمارے نوجوانوں کی بڑی اصلاح ہوئی اور ان کی کایا پلٹ گئی، ۶/ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی، اور جنت المعلی میں مدفون ہوئے، ۱۲

[۲] یعنی مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی جو حضرت سید احمد شہید کے بیک واسطہ خلیفہ اور حضرت شاہ ضیاء النبیؒ اور مولانا سید فخر الدین کے شیخ و مرید تھے، توحید و سنت کی اشاعت اور اصلاح و تربیت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ۱۲۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

[۳] مولانا سید محمد امین نصیر آبادی مراد ہیں جن سے ضلع رائے بریلی، سلطان پور، پرتاپ گڈھ اور ان کے نواح میں بڑی اصلاح اور شرک و بدعت کی بیخ کنی ہوئی، انتقال ۱۳۰۹ھ میں ہوا۔

یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں، انگریزی مرتبہ والے تمہارے خاندان میں بہت ہیں اور ہوں گے، مگر اس مرتبہ کا کوئی نہیں، اس وقت بہت ضرورت ہے، ان کو انگریزی سے کوئی انس نہ تھا، یہ انگریزی میں جاہل تھے، یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوا۔

علی، اگر میرے سو اولادیں ہوتیں، تو سب کو میں یہی تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں اور میں دارین میں سرخ رو اور نیک نام اور صاحب اولاد کہلاؤں آمین ثم آمین۔ میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں ہمیشہ اور شوق دے اور خوبیاں حاصل کرنے کا اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے، آمین۔

اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں ان مرتبوں پر پہنچائے اور ثابت قدم رکھے، آمین، علی، ایک نصیحت اور کرتی ہوں، بشرطیکہ تم عمل کرو، اپنے بزرگوں کی کتابیں کام میں لاؤ اور احتیاط لازم رکھو جو کتاب نہ ہو وہ عبد العلی کی رائے سے خریدو، باقی وہی کتابیں کافی ہیں، اس میں تمہاری سعادت مندی ظاہر ہوگی اور کتابیں برباد نہ ہوں گی اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی مجھے بیحد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو، جو روپیہ خرچ کرو، انھیں ضرورتوں میں یا کھاؤ۔

قرض کبھی نہ لو، ہو تو خرچ کرو، ورنہ صبر کرو، طالب علم یوں ہی

علم حاصل کرتے ہیں، تمہارے بزرگوں نے بہت کچھ مصیبتیں جھیلی ہیں، اس وقت کی تکلیفیں باعث فخر سمجھو، جو ضرورت ہو ہمیں لکھو، میں جس طرح ممکن ہوگا پورا کروں گی، خدا مالک ہے، مگر قرض نہ کرنا یہ عادت ہلاک کرنے والی ہے، اگر وفائے وعدہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔

صحابہؓ نے قرض لیا ہے، مگر ادا کر دیا ہے، ہم کون چیز ہیں علی، یہ بھی تمہاری سعادت مندی ہے کہ میری نصیحت پر عمل کرو۔

حلوہ ابھی تیار نہیں ہو سکا، انشاء اللہ تعالیٰ موقع ملتے ہی تیار کر کے بھیجوں گی، اطمینان رکھو۔

بہت جلد خیریت سے اطلاع دو، اگر دیر کرو گے تو میں سمجھوں گی کہ میری نصیحت تمھیں ناگوار گزری، انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں تم سے وعظ کہلاؤں گی، اللہ تعالیٰ میری خواہش سے زیادہ تمھیں توفیق دے کہنے کی اور تمہارا کلام پُر اثر اور خدا کی خوشی و رضامندی کے قابل ہو، آمین اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ اَفْضَلَ مَا تُؤْتِیْ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ، باقی خیریت ہے، تم خدا کی رحمت سے تیار رہو، تم نے وعدہ بھی کیا ہے۔

تمہاری والدہ

☆☆☆

نور چشم علی سلمہ

دعا اور بہت دعا، تمہارا خط سخت انتظار اور متواتر خطوط بھیجنے کے

بعد ملا، بیحد خوشی اور اطمینان حاصل ہوا، مگر جو تم نے سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس سے فکر ضرور پیدا ہو گئی ہے، نہیں معلوم وہ کدھر ہے اور وہاں کے حالات کیا ہیں اور کتنے روز رہنا ہو گا اگر عبدو[۱] اور طلحہ[۲] کی رائے ہو، تو مناسب ہے، مگر تم کل حالات سے اطلاع دو تو بہتر ہے کہ اطمینان ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمھیں پوری کامیابی عطا کرے، بس یہی آرزو ہے، یہی وجہ تھی کہ جو اس دور دراز سفر کے لئے گوارہ کر لیا، ورنہ ایسے دل والوں کے لئے سخت دشوار اور ناممکن تھا منظور کرنا۔ میں تمھیں اس کی حفاظت میں دے چکی، وہ بڑا خوب حفاظت کرنے اور ساتھ دینے والا ہے، میں کیا کر سکتی ہوں، اوندھی کھوپڑی کی۔

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہنچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے، فلک دھمکا نہیں سکتا

بس یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہوں، مگر پورا یقین ہے اس کی رحمت پر اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ وہ تمھیں توفیق دے نیک کاموں کی، اور علوم دین کے پورے مرتبہ پر پہنچائے، اور ثابت قدم رکھے کہ دنیا اور آخرت میں نیک کام ہو، آمین۔

میری دلی تمنا ہے کہ دونوں جہاں کی خوبیاں تمھیں حاصل ہوں اور تم قابلِ رشک ہو جاؤ، اور میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں، آمین، یہ

---

[۱] ڈاکٹر سید عبد العلیؒ ۱۲ [۲] مولانا سید طلحہ حسنیؒ ۱۲

سب سفر مبارک ہوں، آمین۔ اللہ تعالیٰ تم سے وہ کام کروائے جو تمہاری فلاح بہبودی، میرے آرام وراحت اور خدا کی رضامندی اور خوشی کا باعث ہو، آمین، تم اپنی خیریت سے جلد اطلاع دیتے رہو، جہاں بھی ہو، وہ مالک ہے، ہم پر رحم کرے گا، اور جو کچھ فیض حاصل ہو، مجھے اطلاع دو، دعا۔

تمہاری والدہ

☆☆☆

نور چشم، لختِ جگر علی، سلمہ

دعاہا، تمہارے دو خط آئے، مفصل جس سے اطمینان ہوا، اس سے بیحد خوشی ہوئی کہ مولانا احمد علی صاحب کے صاحبزادہ بھی تمہارے ساتھ ہیں، دیکھیں کب تک رہنا ہو، اللہ تعالیٰ جلد کامیاب کرے، آمین۔

خاص وقتوں میں میری یہ دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں وہ علم دے، جو صحابہؓ کرام نے حاصل کیا، جس سے ایمان کو قوت ہو اور تمام جھگڑے پاک ہوں، اور اس وقت کے فتنوں سے نجات ہو جائے اور پورا پورا اطمینان ہو۔

میں کہہ نہیں سکتی جو میری خواہش ہے اور جس کے لئے مجھے علم دین حاصل کرنے کی خواہش ہوئی، اللہ تعالیٰ میری آرزو پوری کرے، اور دنیا و آخرت میں مجھے سرخرو اور نیک نام کرے، آمین، تم یونہی برابر خط لکھتے رہو، تو خدا کا شکر کروں گی، ان دنوں ابوالخیر[۱] وعظ کہتے ہیں ہر جمعہ کو،

[۱] مولانا سید ابوالخیر برق حسنیؒ

میدان پور میں بھی ہوتا ہے، خدا کرے تم لوگوں سے اسلام پھیلے، اور کفر گھٹے، آمین، اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ثابت قدم رکھے، پانچ روپیہ عبدو کو دے دیئے ہیں، پھر انشاء اللہ ملنے پر بھیجوں گی، ماموں صاحب[۱] ماموں جی[۲] کو سلام لکھو تو بھائی جی یعنی اپنے ابا جی[۳] کو بھی لکھا کرو۔ محمود، محمد ثانی سلمہما پڑھتے ہیں، خدا کرے کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان سے راحت ہو۔

والسلام

تمہاری والدہ

☆☆☆

نورِ چشم لختِ جگر، نورِ بصر علی سلمہ طول عمرہ

دعاہا۔

خدا پر بھروسہ ہے، وہ تمہارا حافظ و ناصر ہے، تم خط برابر لکھتے رہو تو مجھے تسکین رہے گی۔ دیکھو ہمت سے زیادہ محنت نہ کرنا، اس موسم میں زیادہ محنت دماغ قبول نہیں کر سکتا، دل و دماغ کی صحت ضروری ہے، اس کا زیادہ خیال رکھو، جہاں تک ممکن ہو ایک ماہ کی محنت ایک دن میں نہ کرنا، اگر تم اس قدر محنت کرو گے تو پھر دنیا کیسے برتو گے، دنیا بھی برتنا عبادت ہے، ہمدردی اور حق پرستی یہ تمام باتیں خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کی ہیں، پھر تمام

[۱] مولانا سید عبید اللہ حسنی [۲] مولوی سید احمد سعید صاحبزادگان حضرت شاہ مولانا ضیاء النبیؒ۔

[۳] مولانا سید خلیل الدین ابن مولوی رشید الدین ابن مولوی سعید الدین مرید سعید حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ۔ ۱۲

اعزہ اس کے منتظر رہتے ہیں، خاص کر تمہاری طرف سے بہت کچھ امیدیں ہیں، مجھے خواہش ہے کہ تم علم مغرب، والوں سے مرتبہ میں زیادہ ہو نکلو، کہ علوم دین کی طرف اعتراض کا موقع نہ ملے، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ تمھیں وہ خوبیاں حاصل ہوں کہ تمام وہ خوبیاں جن پر سب کو فخر ہے، ہیچ ہو جائیں، اور علوم دین کے سب شائق ہوں، اللہ تعالیٰ میری آرزو پوری کرے۔ آمین۔

تم خط جلد جلد لکھتے رہو، ورنہ مجھے بے حد تکلیف ہو گی، عبدو تمہارے طرزِ عمل سے بے حد خوش ہوئے، مجھے لکھا تھا، یہ پہلا خط تھا جس سے یہ مبارک الفاظ ظاہر ہوئے، مجھے بے حد تمنا تھی کہ عبدو کی زبان سے سنوں، خدا کا شکر ہے کہ یہ خواہش پوری ہوئی، یہ تمنا ہے کہ ہر زبان پر تمہاری نیک نامی اور کامیابی ہو، آمین، اللہ تعالیٰ تمہارے نیک ارادے پورے کرے، اور تمھیں ثابت قدم رکھے، اور انکے راستے پر چلادے جن پر انعام کیا ہے، اور تمہارے عمل کو قبول کرے، آمین۔

تمہاری والدہ

☆☆☆

عزیزی علی سلمہ، دعاہا۔

تمہارا کارڈ پہنچا، یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ تمہارے پرچے اچھے گزرے اور اس مرتبہ پرچوں میں خطرہ تھا، خدا سے ہر وقت دعا

کرتی ہوں اس کی رحمت کا انتظار کرو، جب اس کی رحمت سے نتیجہ ظاہر ہو جائے تو انشاء اللہ خوش ہو کر آنا اور جب تک نتیجہ نہ معلوم ہو، روز صبح کو سنت اور فرض کے درمیان خشوع و خضوع کے ساتھ سورۂ فاتحہ اکتالیس بار پڑھتے رہو، اور اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف، یہ بہت مجرب ہے اور پھر فرض پڑھ کر فاتحہ ایک بار اور اَلَمْ نَشْرَحْ تین بار اِنَّا اَنْزَلْنَا گیارہ بار پڑھ لیا کرو، اول و آخر درود جس قدر ممکن ہو تو دونوں وقت پڑھ لیا کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو، یہ مناجات تمہارے لئے میں نے خدا سے کی ہے، خدا کرے مقبول ہو، آمین۔

سدا سے ترے مجھ پر انعام ہیں — ہیں انعام بھی اور اکرام ہیں
جو مانگا دیا، اور دیا بے طلب — پھری میں، ترے در سے محروم کب
تھی جو کچھ مجھے فکر سب دور کی — میں لائی جو حاجت وہ منظور کی
ترے فضل کی کچھ نہیں انتہا — جو آیا ترے در پہ وہ خوش ہوا
تری شان رحمت سے ہے یہ بعید — پھرے در سے تیرے کوئی ناامید
کرم کر میرے حال پر بھی کریم — کہ ہے نام تیرا غفور، رحیم
مری سعی و کوشش نہ برباد کر — ترے در پہ آئی ہوں امداد کر
دعا جلد میری یہ ہو مستجاب — علی ہو ترے فضل سے کامیاب
وہ ہو کامیابی جو ہو باسند — ہو ایسی سند جو کہ ہو مستند
نہ ہو فکر کوئی نہ رنج و تعب — تمنائیں میری بر آئیں یہ سب

خطاؤں پہ ان کے نہ کر تو نظر ۔۔۔ یہ بندے ہیں تیرے تو ہی رحم کر
جہاں میں سدا دونوں پھولیں پھلیں ۔۔۔ سدا یہ شریعت پہ قائم رہیں[1]
یہ سب بہن بھائی رہیں شاد کام ۔۔۔ جہاں میں ہو اقبال ان کا غلام
خزاں میں جو ہے آج فصل بہار ۔۔۔ یہ سب فضل تیرا ہے پروردگار
یہ فصل بہاری رہے تاحیات
ہو بہتر کی بہتر حیات اور ممات

تمہاری والدہ

☆☆☆

عزیزی علی، سلمہٗ

دعاہا۔

تمہارا خط آیا۔ میں بالکل انتظار کر کے تھک کر بیٹھ گئی تھی ویسے ہی تمہارا خط ملا۔ بے حد خوشی ہوئی، علی، مجھے خدا کی رحمت سے یہ امید قوی ہے کہ تم کسی کے کوئی مرتبہ اور کامیابی کا اثر نہ لوگے، کیونکہ یہ عام ہے اور فنا ہونے والی، قابل رشک وہ ہے جو ہزاروں میں ایک کو ملے اور پھر خدا کی طرف سے ہو، قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

[1] ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی حسنیؒ، ابوالحسن علی ندوی، سیدہ امۃ العزیز صاحبہ اور سیدہ امۃ اللہ تسنیمؔ ہمشیران ہر دو برادران۔ ۱۲

تمہیں اس پر فخر کرنا چاہیئے، نہایت ہمت اور قوت سے کرنا چاہئے خدا سے دعا کرتی ہوں کہ تمہیں اس سے دلچسپی پیدا کرتا رہے کہ تمام خوبیوں پر ترجیح دیتے رہو، اگر تمہیں ججی یا اور کوئی مرتبہ حاصل ہوتا جو عام ہے تو مجھے اس کے ساتھ ہزار خطرے پیش نظر رہتے، اس نے مجھے تمام برائیوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایسی بہتر صورت پسند کی، وہ خود حافظ و نگہبان ہوگا، میری فکر کی کوئی ضرورت نہ تھی، بجائے فکر کے میرے دل کو ہر وقت وہ خوشی حاصل ہوتی ہے، جو کسی ذی مرتبہ کو حاصل نہیں، تم جس قدر فخر کرو کم ہے۔

تمہاری والدہ

عزیزی علی سلمہ

دعاہا۔

تمہارا خط ملا، اطمینان اور خوشی ہوئی کہ تمہیں ناشتہ وغیرہ سے آرام ہے، ندوہ میں زیادہ رہنے کے عبدو[۱] خلاف تو نہیں، اگر وہ اس کے مخالف نہیں تو بہتر ہے، تم خود سمجھ سکتے ہو، تبلیغ میں کوشش کرتے رہو کہ ترقی ہو۔

ابتدا میں جو جوش اور شوق تھا تمہیں اور عبدو کو بھی اس میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے، یہ ضرور ہے کہ ابتدائی حالت نہیں رہ سکتی، مگر سلسلہ

---

[۱] ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ

جاری رہے۔ شوق بھی بڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ تم سے وہ کام کروائے، جو اپنے نیک اور مقبول بندوں سے کروائے ہیں اور تکبر و غرور ریا سے بچائے اور تمہاری ترقی و کامیابی قابل رشک ہو۔ آمین

اللہ تعالیٰ میری سب دعائیں قبول کرے، آمین۔

تمہاری والدہ

٦ محرم ١٣ھ

☆☆☆

محترمہ خیر النساء صاحبہ بہتر

میری تعلیم اور مطالعہ

میری آنکھ ایسے گھرانے میں کھلی جس کو اللہ نے دین ودنیا کی دونوں خوبیاں عطافرمائی تھیں، میرے دادا مولوی سید سعید الدین صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید اور دنیاوی حیثیت سے مرفہ الحال تھے، والد ماجد اور چچا کو ورثہ میں بڑی جائداد ملی تھی، میرے چچا مولوی سید رشید الدین صاحب نے تو جائداد کا انتظام اپنے ذمہ لیااور والد محترم حضرت شاہ ضیاء النبی صاحبؒ نے علم سلوک کی طرف توجہ کی، وہ ایک طرف بڑے عالم تھے تو دوسری طرف ایک بڑے مرشد اور شیخ۔ دور دور سے طالبین حق آتے اور تربیت حاصل کرتے تھے، والد ماجد کی جائیداد کا حصہ یا تو مہمانوں پر، یا کتابوں پر خرچ ہوتا تھا، اس طرح پر ان کے پاس قیمتی اور نایاب کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا تھااور ہر علم وفن کی کتابیں اکٹھا ہو گئی تھیں۔

والدہ ماجدہ ایک نہایت صالح اور اہل علم خاتون تھیں، انھیں سے میں نے قرآن ناظرہ پڑھا انھوں نے سوائے ایک مرتبہ کے کبھی نہ جھڑکا، نہ مارا چونکہ مجھے فطری طور پر کھیلنے کودنے کا شوق نہ تھااور نہ بچوں میں اُٹھنے بیٹھنے کا اس وجہ سے اس کا موقع بھی نہ آنے دیا۔ والدہ محترمہ نے مجھ کو قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھایا اس وقت اس کا رواج ہی یہ تھا کہ بچے ترجمہ والا قرآن لے کر پڑھتے تھے۔

قرآن کے پڑھنے کے بعد مجھ کو حفظ کرنے کا خود بخود شوق پیدا ہوا اور کوشش کرکے اپنے چند ہم سبق بھی تیار کر لئے اور بھائی مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب مرحوم سے حفظ کرنا شروع کر دیا اور تقریباً تین سال میں خدا کے فضل وکرم سے قرآن حفظ کر لیا۔

جب میں نے قرآن حفظ کرنا شروع کیا تو میرے بڑے بہنوئی اور

چچازاد بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اس خوشی میں ہر ہفتہ دعوت کرنی شروع کردی، ہر ہفتہ ایک نئی دعوت کرتے اور جب میں نے پورا قرآن حفظ کرلیا تو ایک عظیم الشان دعوت کی اور انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

اُردو کی پہلی کتاب اور دینیات کی پہلی کتاب کے بعد چند اور کتابیں سبقاً سبقاً پڑھ کر اپنے شوق سے کتابوں کا مطالعہ کرنے لگی۔ میرے والد ماجد کے یہاں چونکہ ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں اور جب بھی کوئی نئی کتاب آتی والد سب سے پہلے مجھ کو پڑھنے کو دیتے، اس وجہ سے میں اپنا زیادہ وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتی ایک مرتبہ میرے ہاتھ قصہ شاہ روم اور کتاب حلیمہ دائی لگ گئی، میں پڑھ رہی تھی کہ محترم بھائی مولوی سید خلیل الدین صاحب تشریف لائے دیکھ کر فرمایا یہ کتابیں مت پڑھو، اس کی روایتیں مستند نہیں ہیں، اس کے بجائے راہ نجات اور مالا بدّ منہ پڑھو، وہ دونوں کتابیں میں اپنی والدہ سے پڑھنے لگی، یہ دونوں کتابیں چونکہ مسائل پر ہیں اس وجہ سے مجھ کو مسائل سے دلچسپی ہوگئی اور واقفیت بھی ہونے لگی تاریخ میں جن کتابوں نے مجھ پر اثر ڈالا وہ قصص الانبیاء اور فتوح الشام ہیں، فتوح الشام کا نثر میں اردو ترجمہ میرے ایک عزیز میاں عبدالرشید کے گھر سے میری والدہ لائیں، وہ خود بھی پڑھتی تھیں، میں بھی پڑھتی، صحابہ کرام کے حالات پڑھتی اور ان کے جہاد وغیرہ کے تذکرے پڑھتی تو دل میں جوش و خروش کا دریا موجزن ہو جاتا، کچھ عرصہ کے بعد میرے ماموں سید عبدالرزاق کلامی میاں ٹونکی نے فتوح الشام کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا جس کا نام صمصام الاسلام ہے، وہ ٹونک سے کوئی عزیز ساتھ لائے، مجھ کو ملی، میں پڑھنے لگی، اس کے ساتھ دوسری عزیز عورتیں بھی اس کو پڑھتی تھیں، میرے گھر بھر کی عورتیں جمع ہو جاتیں اور بڑے درد اور جوش کے ساتھ پڑھی جاتی، لڑکے بوڑھے سب اس کو سنتے اور ایمان و جوش میں سب ڈوبے ہوتے، چھوٹے چھوٹے بند، اشعار میں روانی اور سلاست اتنی ہوتی کہ مجلس سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا، میں اس کتاب کو خوب پڑھتی، اس کے پڑھنے اور سننے کا اتنا اثر ہوتا کہ خواہش پیدا ہوتی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو اللہ کے راستہ میں کام آتے، یا ہمارا شمار ان عورتوں میں ہوتا جو ان

مبارک مواقع میں شریک ہوئیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی مقاصد الصالحین اور مآثر الصالحین کو جب پڑھا تو بزرگوں کی محبت اور ان جیسا بننے کی خواہش پیدا ہوئی، یہ دو کتابیں مجھ کو اتنی پسند آئیں کہ بار بار پڑھیں، اور حرز جان بنائیں، آج بھی جب کہ اتنی مدت گذر چکی ہے ان واقعات و حالات کا اثر دل پر ہے اور بزرگوں کا ادب اور ان کی محبت جو کچھ دل میں ہے اس میں ان کتابوں کو بڑا دخل ہے اور آج بھی یہی خواہش بیدار رہتی ہے کہ اللہ ان جیسا بنادے۔

میرے محترم بھائی اور ایک طرح کے مربی مولوی سید خلیل الدین صاحب اکثر جب گھر آتے تو حالی مرحوم کی مشہور کتاب "مسدس حالی" پڑھ کر سناتے، ان سے سن کر اس کے پڑھنے کا شوق ہوا اور اس کو پڑھنے لگی، اس کتاب کو اتنا زائد پڑھا کہ اس کے اشعار یاد ہو گئے ساتھ ہی ساتھ اپنے ماموں حکیم فخر الدین مرحوم کی مسدس خیالی بھی پڑھتی، ان دونوں کتابوں کے کثیر تعداد میں اشعار زباں زد ہو گئے تھے۔

مجھے فطری طور پر شعر کہنے کا شوق تھا، ان منظوم کتابوں کے پڑھنے اور حرز جان بنانے نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور میں چھپ چھپ کر شعر کہنے لگی، لیکن میرے اشعار زیادہ تر مناجاتوں کی شکل میں ہوتے، یا حمد و نعت کی شکل میں، مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ سب سے پہلے میں نے جو اشعار کہے اس کے چند مصرعے حسب ذیل ہیں۔

الٰہی نہ کرنا اکیلا کبھی تو　　خدا یا نہ رکھنا نرالا کبھی تو

عزیزوں کو میرے نہ کرنا جدا تو　　ہمارا ہمیشہ سے ہے رہنما تو

ہو مجھ پر بھی تیری عنایت الٰہی

والد صاحب کے کتب خانہ میں مجھ کو دو اور کتابیں ملیں جن کو میں نے بڑے شوق وذوق سے پڑھا، پہلی کتاب نواب صدیق حسن خاں صاحب کی الداء والدواء، اور دوسری کتاب ابن سیرینؒ کی تعبیر الرویا کا ترجمہ تعبیر خواب۔ تعبیر خواب پڑھنے سے تعبیر دینے کا شوق ہوا اور خوابوں کی تعبیر دینے لگی خدا کا کرنا میں خواب بھی خوب دیکھنے لگی اور پھر اس کی تعبیر بھی خود دے لیتی اور دوسرے لوگ اپنے

خواب بیان کرتے اور میں تعبیر دیتی اور یہ سلسلہ بعد میں برابر جاری رہا، خدا کے فضل سے اکثر تعبیر صحیح نکلتی، الداء والدوا مجربات دیربی اور بحر وظائف کے مطالعہ سے دعا کرنے اور سورتوں کی تلاوت اور اسکے وظیفہ کا ذوق بڑھتا گیا۔ اور صبح قرآن کی تلاوت کے بعد چہل حدیث اور سورتوں کا ورد کرتی، یہ میرا روز کا معمول ہو گیا تھا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک کتاب "طئی الفراسخ الی منازل البرازخ" میرے یہاں تھی، وہ میں نے پڑھی، اس کا پڑھنا تھا کہ دل کی حالت بدل گئی، قبروں کے حالات پڑھ کر دنیا سے بے دلی پیدا ہونے لگی، چونکہ دل کمزور تھا، اسلئے وہ بے دلی آگے چل کر اختلاج کی شکل میں تبدیل ہو گئی، اور مسلسل دو سال تک اختلاج اپنے شباب پر رہا، اس اثناء میں طریق النجاۃ جو مشکوۃ شریف کا ترجمہ ہے پڑھنے لگی، اس میں ایک واقعہ نظر سے گذرا، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ اپنے اصحابؓ کے ساتھ مدینہ کے بازار میں گذرے، ایک مری بکری نظر آئی، آپ نے فرمایا اس بکری کو کون ایک درہم میں خریدے گا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس بکری کو کون خرید سکتا ہے، آپ نے فرمایا جتنی بے قیمت یہ بکری ہے اس سے زیادہ خدا کی نگاہوں میں بے قیمت یہ دنیا ہے۔

اس واقعہ سے دعاؤں کی طرف دل پھر گیا، میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے دُعا کرتی، میری دعاؤں کی کثرت کی بنا پر بعض ہمجولیاں مذاق کرنے لگیں، اس اثناء میں میرے یہاں ایک نئی کتاب آئی، وہ کتاب ہاتف کی نعمت عظمیٰ ہے، اس کتاب میں خاص بات یہ تھی کہ ہر مصرعہ خدا کے نام سے شروع ہوتا یا خدا کے نام پر ختم ہوتا اور دین و دنیا کی تمام خواہشیں اس میں آگئی تھیں، اس کو میں نے زبانی یاد کر لیا اور حرز جان بنا لیا، بعد نماز عصر کئی عورتیں جمع ہو جاتیں اور سب مل کر اس مؤثر مناجات کو ہم آواز ہو کر پڑھتیں اور جب بھی کوئی غم و مصیبت کا وقت آتا اس کو ورد کیا جاتا اور اللہ تعالیٰ رحم فرما دیتا، پے بہ پے ایسے واقعات اور اسباب پیدا ہوتے رہے کہ دل مناجاتوں کی طرف پھر گیا، میں ہر وقت ذوق وشوق سے مناجاتیں پڑھتی جب بے چینی بڑھ جاتی تو رو رو کر عرض کرتی۔

ترا شیوہ کرم ہے اور مجھے عادات گدائی کی
نہ ٹوٹے آس اے مولیٰ ترے در کے فقیروں کی

سجدہ میں گر جاتی اور رو رو کر خدا سے دعا مانگتی، میری اکثر دعائیں مناجاتوں کی شکل میں نکلتی تھیں، اللہ کا بڑا کرم تھا کہ دعاؤں اور مناجاتوں کے بعد اختلاج میں بڑا سکون ہوتا اور طبیعت اتنی ہلکی ہو جاتی کہ جیسے رحمت کے دروازے کھل گئے ہوں اور میں خزانۂ رحمت لوٹ رہی ہوں اور میری زبان سے یہ اشعار نکل پڑتے ۔

کیوں نہ آئے رحم تجھ کو حال پر میرے رحیم
تیری ہی رحمت تو ہے مونس مری ہمدم مری
بے بسوں کا بس تو ہی مونس تو ہی غمخوار ہے
تجھ سے کہہ کر کیوں نہ ہو بیتابیٔ دل کم مری
کب نہیں ہوگی خبر تجھ کو دل بے تاب کی
آہ پہنچے گی ترے دربار میں جس دم مری
سائلوں میں اک ترے دربار کے میں بھی تو ہوں
کیوں نہ ہو فریاد دل یہ درہم وبرہم مری
کیوں نہ میں چاہوں کہ خود ہی چاہنے والا ہے تو
کب گوارا ہے تجھے کہ چشم ہو کچھ نم مری

اعتقادیات کے معاملہ میں اللہ کے فضل وکرم سے میرا خاندان توحید و سنت کا حامل رہا ہے، خصوصاً حضرت سید احمد شہیدؒ کی وجہ سے گھر گھر توحید کا چرچا تھا، میرے یہاں ایک بڑی بی تھیں جن کی عمر سو سال تھی انھوں نے حضرت شہیدؒ کو دیکھا تھا، وہ اکثر حضرت شہیدؒ کا تذکرہ کرتیں، کہتی تھیں کہ حضرت اتنے قوی تھے کہ اپنے ہاتھ کی انگلیاں پھیلا کر بچوں کو جھلاتے تھے، جب جانے لگے تو فرمایا کہ اتنی مدت تک نہ لوٹوں تو سمجھنا کہ شہید ہو گیا۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان اور مولانا خرم علیؒ کی نصیحۃ المسلمین مطالعہ میں رہتی، اور عورتیں، بچے، مرد سب اس کا مطالعہ کرتے۔

یہ ہیں میری تعلیم و مطالعہ کے چند نقوش اور میرے بچپن کے تھوڑے حالات، اللہ تعالیٰ ہر بہن اور بیٹی کو اچھی کتابیں پڑھنے اور نیک صحبت و تربیت کی توفیق دے۔

☆☆☆